(فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والی الرسول)(النساء:59)

لفظ خطا سے متعلق مضامین کا مجموعہ

تحقیقات وتنقیدات

طارق انور مصباحی

مدیر :

ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی)

اجمالی فہرست

ص3 = ابتدائیہ: علمی مسائل کو باہمی مباحثوں سے حل کیا جائے!

ص4 = کیا ڈاکٹر اشرف جلالی اہل سنت سے خارج ہیں؟

ص5 = ڈاکٹر جلالی اور اصحاب جلال وکمال (قسط اول)

ص11 = ڈاکٹر جلالی اور اصحاب جلال وکمال (قسط دوم)

ص18 = ڈاکٹر جلالی اور اصحاب جلال وکمال (قسط سوم)

ص23 = ڈاکٹر جلالی اور اصحاب جلال وکمال (قسط چہارم)

ص36 = لفظ خطا اور سوالات

ص38 = اجتہاد فاطمی: اعتقادیات میں سے ہے یا فقہیات میں سے؟

ص43 = لفظ خطا اور لفظ غیر صواب

ص46 = لفظ خطا پر مباحثے اور تحقیقات

ص47 = اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟ (قسط اول)

ص49 = اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟ (قسط دوم)

ص55 = اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟ (قسط سوم)

ص59 = اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟ (قسط چہارم)

ص62 = اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟ (قسط پنجم)

ص66 = اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟ (قسط ششم)

ص70 = اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟ (قسط ہفتم)

ص73 = اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟ (قسط ہشتم)

ص77 = اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟ (قسط نہم)

ص81 = اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟ (قسط دہم)

ص86 = اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟ (قسط یازدہم)

ص87 = اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟ (قسط دوازدہم)

ابتدائیہ

مبسملا وحامدا::ومصلیا ومسلما

علمی مسائل کو باہمی مباحثوں سے حل کیا جائے

اللہ تعالیٰ کا شکر کہ 18: نومبر 2020 کو لاہور ہائی کورٹ سے مناظر اہل سنت حضرت علامہ ڈاکٹر آصف اشرف جلالی صاحب قبلہ کی ضمانت ہوئی، اور 19: نومبر کو گھر واپسی ہوئی۔ اہل سنت وجماعت کے لیے یہ ایک بڑی فرحت وشادمانی اور فتح وکامرانی کا موقع تھا۔ اہل باطل سرتوڑ کوششوں کے باوجود اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکے۔

ایک افسوس ناک امر یہ ہے کہ پڑوسی ملک میں اہل سنت وجماعت کی کثرت تعداد کے باوجود ایک مشہور دیار وامصار عالم وفاضل اور محقق ومناظر کو مخالفین کے شروفساد اور شرپسند عناصر کی فتنہ پروری کے سبب قریباً پانچ ماہ (20: جولائی 2020 تا 18: نومبر 2020) تک قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں، اور مسلک اہل سنت وجماعت کے بہت سے افراد بھی غلط فہمی کے شکار ہو گئے: ما شاء اللہ کان وما لم یشا لم یکن

دراصل علمی ومذہبی مسائل کا حل علمائے کرام کی مجلسوں میں ہونی چاہئے، نہ کہ حکومتی عدالتوں میں۔ ایک تعجب خیز امر یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ ڈاکٹر موصوف کی گرفتاری کے بعد مخالفین کی متعدد تحریریں منظر عام پر آئیں۔ اگر یہی تحریریں پہلے ہی منظر عام پر آ جاتیں تو پہلے ہی ان سوالوں کے جوابات دیئے جا سکتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مخالفین کی تحریریں عدالتی کاروائی دیکھ کر منظر عام پر لائی جا رہی تھیں۔ خدا جانے، کیا مقصد تھا۔

لفظ خطا کے موضوع پر علمائے اہل سنت وجماعت کی بہت سی تحریریں منظر عام پر آ چکی ہیں، اس لیے میں اس موضوع پر تحریری سلسلہ موقوف کرتا ہوں اور ان مضامین کا مجموعہ بنام ''تحقیقات وتنقیدات'' سپرد قوم کرتا ہوں۔

یہ مجموعہ پہلے بھی 23: ستمبر 2020 کو جاری کیا گیا تھا۔ حالیہ مجموعہ میں چھ قسطوں کا اضافہ ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اب ڈاکٹر موصوف خود ہی اس موضوع پر مکمل توضیح وتشریح پیش کریں گے کہ شخص دیگر کی ضرورت درپیش نہیں ہوگی۔ اب مخالفین بھی دم توڑ چکے ہیں اور عوام بھی اس اندھے فتنے کی حقیقت سے آشنا ہو چکے ہیں۔

راقم السطور فی الحال بھارت میں پھیلنے والے اعتقادی فتنوں کی سرکوبی میں مصروف ہے۔ ہر عہد میں کچھ نہ کچھ فتنے ہوتے رہے ہیں۔ اس عہد میں بھی فتنوں کی کثرت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام کو توفیق قوی عطا فرمائے اور حضور اقدس تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت کاملہ ہماری دستگیری فرمائے، تاکہ ہم سب مل جل کر باطل افکار ونظریات کو بحر ہند وسند میں غرقاب کر سکیں، اور قوم کی صالح رہنمائی اور نتیجہ خیز قیادت کر سکیں۔ اس مجموعہ میں کہیں کچھ خامی محسوس ہو تو ارباب علم ودانش اطلاع فرمائیں، تاکہ اس کی تصحیح یا توضیح کر دی جائے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم ::والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم::وآلہ العظیم

طارق انور مصباحی

مدیر: ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی)

06: دسمبر 2020

رابطہ نمبر: 9513209853-91+

(۱)

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ

کیا ڈاکٹر اشرف جلالی اہل سنت سے خارج ہیں؟

حالیہ دنوں میں انتہائی افسوس ناک خبر موصول ہورہی ہے کہ ڈاکٹر آصف اشرف جلالی صاحب قبلہ (پاکستان) کو اہل سنت و جماعت سے خارج بتایا جارہا ہے۔ کوئی کلمہ گو دین اسلام سے اس وقت خارج ہوگا، جب وہ ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار کرے۔ اسی طرح اہل سنت و جماعت سے اس وقت خارج ہوگا، جب کوئی کلمہ گو ضروریات اہل سنت میں سے کسی امر کا انکار کرے۔

ڈاکٹر موصوف نے جب اپنی مراد بیان کردی کہ خطا سے میری مراد خطائے اجتہادی ہے تو اب کوئی سخت اعتراض وارد ہونا مشکل ہے۔ ہاں، ابتدائی بیان میں انداز تکلم جرأت مندانہ محسوس ہوتا ہے۔

بعد میں جب انہوں نے حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعلق اپنے اعتقادات صحیحہ کا صریح لفظوں میں اظہار کردیا، نیز ابتدائی بیان میں خطا سے مراد خطائے اجتہادی بیان کردی تو اب محض انداز تکلم پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ معظمین دین سے متعلق جرأت مندانہ انداز بیان غیر مناسب ہے۔

ڈاکٹر موصوف اس طریق کار سے احتیاط کا وعدہ کرلیں اور مذکورہ انداز تکلم گر عندالشرع ناپسندیدہ ہے تو اس سے توبہ ورجوع کرلیں تو کوئی اعتراض وارد ہونے کی راہ نظر نہیں آتی۔ تاہم یہاں ضروریات اہل سنت میں سے کسی امر کا انکار نہیں ہے تو اہل سنت و جماعت سے خارج ہونے کا کیا مطلب؟

جب تک جانب دیگر کی تفصیلی تحریر یا کوئی تفصیلی بیان منظر عام پر نہیں آتا، کچھ کہنا قبل از وقت محسوس ہوتا ہے۔ فریق دوم سے بھی مؤدبانہ عرض ہے کہ اگر ان کی تحقیق اصول شرع کے موافق نہ ہوئی تو انہیں بھی توبہ ورجوع کے لیے تیار رہنا چاہئے::: **الاسلام یعلو ولا یعلی علیہ**

ان شاء اللہ تعالیٰ خارج اہل سنت قرار دینے والی تحریر یا بیان پر اپنا تبصرہ سپرد قرطاس کروں گا۔

طارق انور مصباحی (کیرلا)

جاری کردہ: 18: جولائی 2020

☆☆☆☆☆

(۲)

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ

ڈاکٹر جلالی اور اصحاب جلال وکمال

(قسط اول)

از: طارق انور مصباحی

ایڈیٹر: ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی)

ماہ فروری 2020 میں ڈاکٹر آصف اشرف جلالی صاحب قبلہ نے ایک رافضیہ کا جواب دیتے ہوئے ایک جملہ کہا۔اس کے بعد ہندوپاک میں بحث کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا، پھر 20: جولائی 2020 کو ڈاکٹر موصوف کو گرفتار کرلیا گیا۔موصوف کی گرفتاری اہل سنت وجماعت کے لیے ایک اذیت رساں امر ہے۔

ایسے مواقع پر دفع فتنہ کے واسطے مشروط توبہ کی جاسکتی ہے۔جب کسی کلام کی غلطی ثابت نہ ہوتو غیر مشروط توبہ نہیں ہوسکتی، کیوں کہ بلاشرط،توبہ کی صورت میں صحیح قول کو ترک کرنا اور غیر صحیح کو اختیار کرنا لازم آئے گا۔ہاں، بحث کا دروازہ بند کرنے کے واسطے مشروط توبہ میں کوئی شرعی قباحت نظر نہیں آتی،مثلاً اس طرح کہا جائے:

''اگر میرا قول شریعت اسلامیہ کی نظر میں قابل گرفت ہے تو میں نے اس کلام سے توبہ ورجوع کیا''۔

چوں کہ ایسے مواقع پر عام طور پر''کلموا الناس علیٰ قدر عقولہم'' کا لحاظ نہ کرنے کے سبب شوروہنگامے ہو جاتے ہیں تو ہنگامہ آرائی کو ختم کرنے کی راہ اپنانی ہوگی،اور اس کلام سے قائل کا جو مقصود تھا،اس کو سہل اسلوب میں پیش کرنا ہوگا۔اس طرح ہنگاموں کو کنٹرول کرنے میں بھی آسانی ہوگی اور قوم کی صالح رہنمائی بھی ہوسکے گی۔

ایسے موقع پر اہل حق کو بھی متکلم کے کلام کے ساتھ اس کے مقاصد پر بھی نظر رکھنی چاہئے،تاکہ ہنگامے بھی بند ہوں اور باطل نظریات کو بھی دفن کیا جاسکے۔مومنین کے ایمان وعقیدہ کا تحفظ مقصد اولین ہے۔اختلاف کے سبب عوام مسلمین انتشار میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور جو مقصد اصلی تھا،وہ نظروں سے غائب ہوجاتا ہے۔

پاکستان کے ایک معترض کی آڈیوکلپ سننے کا موقع ملا،جس میں ڈاکٹر موصوف پر بے ادبی،اور کفر لزومی کی بات کی گئی تھی۔اسی کلپ کے مشمولات پر مختصر تبصرہ مرقومہ ذیل ہے۔مضمون میں کسی فریق کے نام کی بجائے متکلم اور فریق دوم کے لفظ سے تعبیر ہوگی۔کسی فریق کی حمایت کی بجائے حکم شرعی کا بیان ہوگا: واللہ الموفق والہادی

لفظ خطا کے متعدد معانی

سوال اول:

فریق دوم کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ متکلم نے جس بیان میں وقوع خطا کی بات کی ہے،وہاں خطا سے خطائے اجتہادی مراد نہیں لیا جاسکتا،کیوں کہ سیاق کلام اور قرینہ سے یہ ثابت ہے کہ یہاں اس خطا کی بات ہے، جس سے اہل بیت محفوظ ہیں اور یہ خطائے اجتہادی نہیں، بلکہ وہ خطا بمعنی معصیت ہے۔اب اس خطا کے وقوع کی نسبت حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف کرنا یقیناً ایک غلط بات ہے۔

اس سے فریق اول کو توبہ کرنی واجب ہے، نیز وہاں خطائے اجتہادی کا قول کرنا بھی مناسب نہیں، کیوں کہ حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وراثت سے متعلق قرآن مجید کی قطعی الدلالت آیت مقدسہ کے پیش نظر باغ فدک میں میراث کا مطالبہ کیا تھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث نبوی کے پیش نظر باغ فدک میں میراث جاری نہ فرمائی، اس لیے یہاں دونوں شخصیتوں پر کوئی اعتراض نہیں۔(ملخصا)

جواب:

لفظ خطا کے متعدد مفاہیم

(1) اگر فریق دوم کی وضاحت کے اعتبار سے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہاں خطا سے خطائے اجتہادی مراد نہیں ہو سکتی ہے تو بھی یہاں شہزادی رسول حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر کوئی اعتراض وارد ہونے کی گنجائش نہیں۔شاید متکلم نے اس مفہوم کو بھی اپنے وضاحتی بیان میں پیش کیا ہے۔تفصیل درج ذیل ہے:

کسی سے صدور خطا بھی ہو، اور حکم خطا بھی عائد نہ ہو، یعنی اس مرتکب کے حق میں وہ امر خطا نہ ہو، جیسے علم ویقین کی حالت میں کسی ضروری دینی کا انکار یقیناً کفر ہے، لیکن نو مسلم لاعلمی کی حالت میں کسی ضروری دینی کا انکار کر دے تو اس ضروری دینی سے لاعلم ہونے کے سبب نو مسلم کا انکار کفر نہیں، اسی لیے اس پر حکم کفر عائد نہیں ہو گا اور لاعلمی کے سبب ضروری دینی کا انکار اس کے حق میں کفر نہیں ہو گا۔یہاں نو مسلم سے کفر کا صدور بھی ہوا، لیکن وہ نہ اس کے حق میں کفر ہے، نہ ہی اس پر کفر کا حکم کا وارد ہوتا ہے۔حکم کفر اس وقت وارد ہو گا، جب اس کو علم ویقین ہو جائے کہ یہ ضروری دینی ہے۔جب علم یقینی ہو جانے کے بعد انکار کرے تو یہ انکار کفر ہے۔

مسئلہ حاضرہ کی تفہیم کے لیے ایک مثال رقم کی جاتی ہے۔زید کے والد نے اپنی جائیداد کا نگراں اور محافظ کسی کو بنا دیا تھا۔اس کی جائیداد میں ایک انگور کا باغ تھا۔اپنے والد کی وفات کے بعد زید نے اس محافظ ونگراں سے انگور کے باغ میں اپنی وراثت طلب کی تو نگراں نے کہا کہ آپ کے والد نے وہ باغ فلاں کو فروخت کر دی تھی، اور اس خریدار نے اس باغ کی حفاظت ونگرانی بھی میرے ذمہ کر دی ہے تو میں جیسے آپ کی جائیداد کی حفاظت کرتا ہوں، اسی طرح اس کے باغ کی بھی حفاظت ونگرانی کرتا ہوں۔

پھر اس محافظ نے اس کے والد کے انگور کا باغ فروخت کرنے کے کاغذات اور گواہوں کے نام بتائے۔

زید نے گواہوں سے بھی تحقیق کر لی اور اسے اطمینان ہو گیا کہ اس کے والد نے وہ باغ فروخت کر دی تھی۔

اب کسی نے کہا کہ زید باغ کے مطالبہ میں خطا پر تھا تو یہ بات صحیح ہے کہ جب وہ باغ اس کے والد کی ملکیت نہیں تھا تو اس باغ میں وراثت کا مطالبہ غلط تھا، لیکن لاعلمی کی صورت میں وراثت کا مطالبہ جرم نہیں۔اگر جان بوجھ کر زید باغ کا مطالبہ کرتا تو اب یہ مطالبہ جرم ہوتا، کیوں کہ جس کا یہ مستحق نہیں، اس کا مطالبہ کر رہا ہے۔

لاعلمی کے سبب جو غلط مطالبہ ہوا، وہ ظاہر میں غلط مطالبہ ہے، لیکن حقیقت میں صحیح مطالبہ ہے، کیوں کہ اس نے اپنے والد کی ملکیت سمجھ کر مطالبہ کیا، پس یہاں کسی امر میں دو اعتبار ہوتے ہیں۔ظاہری اعتبار اور حقیقی اعتبار۔

حقیقی اعتبار سے یہ مطالبہ صحیح ہے۔ظاہری اعتبار سے یہ مطالبہ غلط ہے۔جو اس مطالبہ کو صحیح کہے، اس نے حقیقی اعتبار سے اس کو صحیح کہا اور جس نے غلط کہا وہ ظاہری اعتبار سے غلط کہا۔

اب یہاں دوسرا کہے کہ زید اپنے مطالبہ میں صحیح تھا تو یہ بات بھی صحیح ہے کہ جب اس نے اپنے والد کی

ملکیت سمجھ کر مطالبہ کیا تو حقیقت میں وہ غلط مطالبہ کرنے والا نہیں، اسی لیے جب اسے باغ فروخت ہونے کا علم ہو گیا تو اس نے مطالبہ ترک کر دیا، کیوں کہ وہ جائز حق کی طلب میں تھا۔ جب اس پر واضح ہو گیا کہ باغ اس کے والد کی ملکیت میں نہیں تو وہ اس باغ کا حقدار نہیں، اور اس جانکاری کے بعد اس کا ترک مطالبہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ حقیقت میں غلط مطالبہ کرنے والا نہیں تھا، ورنہ جانکاری کے بعد بھی وہ مطالبہ جاری رکھتا۔

مذکورہ بالا عبارت میں جو مفہوم بیان ہوا، یہ عام انداز میں مسئلہ کی تفہیم کے لیے بیان کیا گیا ہے۔ ارباب فضل وکمال کے لیے لفظ خطا کا استعمال عرف میں معیوب ہو تو ان کی عظمت شان کے موافق الفاظ وعبارات میں اس مفہوم کو باندازِ احسن پیش کیا جا سکتا ہے۔ نہ صرف ارباب فضل وکمال، بلکہ ہر مومن قابل تکریم ہے۔ لوگ اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بے ادبوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں، حالاں کہ ان پر سخت شرعی احکام وارد ہیں، اور سنی مسلمانوں کی تذلیل کرتے ہیں، حالاں کہ ان سے محبت وتکریم کا حکم ہے۔

لفظ خطا کے تین معانی کا بیان

مذکورہ بالا تشریح کے مطابق خطا کے تین مفہوم ہوں گے:

(1) وہ خطا جو معصیت ہو۔

(2) وہ خطا جو غیر معصیت ہو۔ اس پر نہ اجر وثواب ہو، نہ ہی گناہ۔

(3) وہ خطا جو موجب اجر وثواب ہے، یعنی اجتہادی خطا۔

مطالبہ باغ فدک میں خطا کے معنی اول مراد ہونے کی کوئی صورت نہیں، کیوں کہ میراث نبوی سے متعلق حدیث نبوی میں بیان کردہ خصوصی حکم سے عدم معرفت، اور قرآن مجید میں بیان کردہ حق میراث کے پیش نظر خاتون جنت حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مطالبہ حق پر مبنی ہے تو ایسی صورت میں عند الشرع یہ مطالبہ معصیت قرار نہیں پا سکتا۔ جب جان بوجھ کر کوئی خلاف شرع مطالبہ ہو، تب وہ مخالفت شرع کے سبب معصیت ہوگا۔

جب حدیث نبوی سن کر حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے عدم استحقاق کا علم ہوا، اور آپ نے مطالبہ ترک فرما دیا تو اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ وہ موافق شرع میراث کا مطالبہ فرما رہی تھیں۔

حدیث نبوی سن کر مطالبہ ترک کرنا ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بحکم قرآنی اپنے حق کا مطالبہ فرما رہی تھیں۔ جب یہ مطالبہ درحقیقت قرآن مجید کے موافق تھا تو اس مطالبہ کے معصیت ہونے کی کوئی راہ موجود نہیں۔ اگر ان کو حدیث نبوی پہلے معلوم ہوتی تو مطالبہ ہی نہ فرماتیں، جیسے مطالبہ کے بعد حدیث نبوی معلوم ہونے پر مطالبہ بالکل ترک فرما دیا۔ دوبارہ کبھی مطالبہ نہ فرمائیں۔

یہاں لفظ خطا کے بیان کردہ تین معانی میں سے پہلا معنی معصیت ہے، اور مطالبہ باغ فدک پر یہ معنی کسی طور پر منطبق نہیں ہوتا تو مطالبہ باغ فدک میں یہ معنی مراد نہیں ہو سکتا۔ اب معنی دوم ومعنی سوم باقی رہے۔

معنی سوم کی نسبت ارباب فضل وکمال کی طرف نہ شرعاً معیوب ہے، نہ ہی عرفاً معیوب ہے۔ معنی سوم کی تعبیر کے واسطے خطائے اجتہادی کا لفظ مروج ہے اور ارباب فضل وکمال کے لیے خطائے اجتہادی کا لفظ استعمال کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا، بلکہ خطائے اجتہادی موجب اجر وثواب اور مظہر فضل وکمال ہے، کیوں کہ نہ کوئی عام آدمی اجتہاد کر سکتا ہے، اور نہ اس سے خطائے اجتہادی ہو سکتی ہے۔ اجتہاد کوئی مجتہد ہی کر سکتا ہے۔

خطائے اجتہادی اعلیٰ درجہ کے اہل فضل وکمال یعنی مجتہدین کے ساتھ خاص ہے۔ اس خطا پر بھی انہیں

ایک اجر وثواب ہے، کیوں کہ انہوں نے شرعی دلیل میں غور وفکر کیا اور حق کو پانے کی کوشش کی ،گر چہ حق تک رسائی نہ ہوسکی ،لیکن ان کی محنت ومشقت ،شرعی دلائل میں غور وفکر اور اصابت حق کی نیت صالح وقصد محمود پر انہیں اجر ملتا ہے۔اگر حق کو پالیتے تو دوثواب انہیں ملتا۔اس کا ذکر حدیث مصطفوی میں موجود ہے۔

مسئلہ حاضرہ میں متکلم معنی سوم مراد لیتا ہے،اور فریق دوم معنی سوم مراد لینے پر اعتراض کرتا ہے،اور کہتا ہے کہ معنی سوم مراد نہیں ہوسکتا۔اب ایک معنی باقی رہا،یعنی معنی دوم۔ یہاں معنی اول مراد نہیں ہوسکتا،اور فریق دوم معنی سوم مراد لینے کا منکر ہے تو اگر معنی اول اور معنی سوم مراد نہ ہوتو صرف معنی دوم کی گنجائش باقی رہی۔

معنی دوم مراد لینے پر متکلم پر اعتراض ہوگا ،یا نہیں۔اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔ ہندوپاک میں شور محشر اسی معنی دوم نے کھڑا کردیا ہے۔اسی شوروغوغا نے اہل حق کوبھی اس جانب متوجہ کر دیا۔

معنی دوم کی نسبت ارباب فضل وکمال کی طرف

مفہوم دوم حقیقت میں غیر معصیت ہے،لیکن اس کی ظاہری شکل وصورت معصیت کی طرح ہے،اسی لیے عرف میں ارباب فضل وکمال کی طرف اس کی نسبت کوغیر مناسب سمجھا جاتا ہے۔چوں کہ عرف میں ارباب فضل کی طرف لفظ خطا کی نسبت کومعیوب سمجھا جاتا ہے تواب یہ دیکھنا ہوگا کہ اس عرف کے اعتبار سے ارباب فضل کے لیے لفظ خطا کا استعمال از روئے شرع خلاف اولیٰ وغیرہ ہوگا یانہیں؟اس کی تحقیق کرنی ہوگی۔

قبل تحقیق کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔آج جوصورت لفظ خطا کی ہے، وہی حال لفظ باغی کا ہے۔

صحابی رسول حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ برحق شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخالفت کی ،لیکن وہاں اجتہادی خطا کے سبب مخالفت تھی۔ وہاں گناہ کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اس مخالفت کو پہلے بغاوت کہا جاتا تھا،لیکن بعد میں علمائے اسلام اس مخالفت کو بغاوت سے تعبیر کرنا ناپسند فرمانے لگے، کیوں کہ بعد میں بغاوت کا مشہور مفہوم الگ ہوگیا،اسی لیے اب ان نفوس قدسیہ کو باغی نہیں کہا جائے گا۔اب باغی کی جگہ کوئی دوسرا لفظ استعمال کرنا ہوگا۔صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان نے صحابی رسول حضرت طلحہ وحضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

’’عرف شرع میں بغاوت مطلقاً مقابلہ امام برحق کو کہتے ہیں۔عناداً ہو،خواہ اجتہاداً۔ان حضرات پر بوجہ رجوع اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔گروہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حسب اصطلاح شرع اطلاق فئہ باغیہ آیا ہے،مگراب کہ باغی بمعنی مفسد ومعاند وسرکش ہوگیا اور دشنام سمجھا جاتا ہے۔اب کسی صحابی پر اس کا اطلاق جائز نہیں‘‘۔(بہار شریعت حصہ اول ص ۲۶۰-مجلس المدینۃ العلمیہ)

اب سوال یہ ہے کہ کیا لفظ باغی کی طرح ارباب فضل وکمال کے لیے لفظ خطا کا بھی استعمال نہیں ہونا چاہئے ،گرچہ لفظ خطا سے وہاں گناہ مراد نہ ہو، بلکہ بھول چوک ،سہو ونسیان وغیرہ مراد ہو۔فقہائے اسلام اس بارے میں حکم شرعی کی وضاحت فرمائیں،تاکہ عوامی شوروہنگامے بند ہوں۔دوملک ہنگاموں کی لپیٹ میں ہے۔

ہندوپاک میں اردو زبان مروج ہے۔اردو کے مشہور لغت فیروز اللغات میں لفظ خطا کے متعدد معانی مرقوم ہیں۔یہ مشترک لفظ ہے۔اردو زبان میں غلطی،سہو،بھول،چوک کے معنی میں اس کا استعمال مشہور ہے۔

لفظ خطا کے معانی:(۱) قصور،گناہ،جرم،تقصیر(۲) غلطی،سہو،بھول،چوک۔(فیروز اللغات:فصل خ ط)

جب فریق دوم خطائے اجتہادی مراد لینے پر معترض ہے تو خطائے اجتہادی مراد نہ لیا جائے ،تو بھی

حدیث نبوی کی عدم معرفت، اور آیت قرآنیہ میں استحقاق وراثت کے اعتبار سے حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باغ فدک کا مطالبہ حقیقت میں عدم معصیت ہے، گرچہ ظاہری اعتبار سے وہ تسامح ہو۔

لفظ خطا سے احتراز کے طور پر لفظ تسامح استعمال ہوا۔اس سے بہتر کوئی لفظ ہو تو اسی کا استعمال کیا جائے۔ یہاں مسئلہ کی تفہیم مقصود اصلی ہے، نہ کہ کسی خاص لفظ کا استعمال۔لفظ تسامح اہل فضل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

آمدم برسر مطلب

اگر ارباب فضل وکمال کے حق میں معنی دوم کی تعبیر کے لیے لفظ خطا کا استعمال عرف میں معیوب سمجھا جاتا ہو تو لفظ میں تبدیلی کر کے شایان شان لفظ کا استعمال ہو، مثلاً تسامح، یا اس سے بھی بہتر تعبیر تلاش کی جائے۔

چوں کہ یہاں لفظ خطا کے معنی میں عدم معصیت کا مفہوم ملحوظ ہے تو متکلم نے اسی عدم معصیت کی وضاحت کے واسطے بعد میں کہا: ''بے خطا بے گناہ سیدہ طاہرہ''۔اس سے متکلم کا اعتقاد حق بھی واضح ہو گیا۔

خطا کا یہ معنی دوم عندالشرع معصیت نہیں ہے تو اگر متکلم نے اس کی نسبت کسی معظم دینی کی طرف کر دی تو ان کی طرف معصیت کی نسبت کرنا ثابت نہیں ہوا، بلکہ عدم معصیت کی نسبت کرنا ثابت ہوا، کیوں اس کے مفہوم میں عدم معصیت ملحوظ ہے، اور اہل فضل کی طرف عدم معصیت کی نسبت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لفظ خطا کے استعمال پر صرف عرفی طور پر اعتراض ہوگا، شرعی طور پر نہیں۔چوں کہ یہ لفظ عرفاً معیوب سمجھا گیا تو متکلم نے اس کو بدل کر اس طرح کر دیا: ''سیدہ معصومہ نہیں اور ابوبکر ظالم نہیں''۔

اب عرفی طور پر بھی اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہی۔اگر بیان اول میں لفظ خطا کے استعمال کے سبب کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو ان سے معذرت خواہی مناسب ہے، لیکن یہاں کوئی شرعی حکم وارد نہیں ہوتا۔

مفہوم سوم یعنی خطائے اجتہادی مراد لینا صحیح ہے یا نہیں؟

سوال دوم:

فریق دوم لفظ خطا سے خطائے اجتہادی مراد لینے پر معترض ہے اور اس بات کا مدعی ہے کہ سیاق کلام یعنی قرینہ لفظ خطا کے مفہوم کو متعین کر رہا ہے، اور ماقبل کلام میں جس خطا کا ذکر ہے، وہ خطائے اجتہادی نہیں، بلکہ وہ خطا ہے، جس سے غیر معصوم محفوظین محفوظ قرار دیئے جاتے ہیں، جب کہ خطائے اجتہادی کا صدور محفوظین سے بھی ہوتا ہے۔(ملخصا)

جواب: دراصل لفظ خطا کسی مفہوم میں متعین ومفسر نہیں۔اس میں متعدد معانی کا احتمال موجود ہے۔

اس کے معنی کے تعین کے لیے قرینہ یا بیان متکلم کی ضرورت درپیش ہوگی۔فریق دوم نے قرینہ کا لحاظ کیا اور فریق اول نے اپنا بیان قطعی جاری کیا۔یہاں متکلم نے صریح ومفسر لفظوں میں بار بار کہا کہ خطا سے ہماری مراد خطائے اجتہادی ہے۔ان کا یہ بیان، بیان قطعی بالمعنی الاخص ہے۔اس کے بالمقابل قرینہ کو ترجیح حاصل نہیں ہو سکتی، گرچہ یہاں قرینہ کو قطعی بالمعنی الاعم بھی مان لیا جائے۔

بیان کبھی ظنی، کبھی قطعی بالمعنی الاعم اور کبھی قطعی بالمعنی الاخص ہوتا ہے۔قرینہ کبھی ظنی اور کبھی قطعی بالمعنی الاعم ہوتا ہے۔قرینہ قطعی بالمعنی الاخص نہیں ہوتا، کیوں کہ وہاں یہ احتمال بعید موجود ہوتا ہے کہ متکلم کی مراد وہ نہ ہو جو قرینہ سے ظاہر وثابت ہو رہا ہے۔مسئلہ حاضرہ میں سیاق کلام قرینہ ہے اور خطائے اجتہادی مراد ہونا متکلم کے

بیان قطعی بالمعنی الاخص سے ثابت ہوا۔

جب بیان قطعی بالمعنی الاخص اور قرینہ میں تعارض ہو تو بیان قطعی بالمعنی الاخص کو ترجیح حاصل ہوگی، کیوں کہ قرینہ کبھی ظنی اور کبھی قطعی بالمعنی الاعم ہوتا ہے۔ اگر یہاں قرینہ کو قطعی بالمعنی الاعم بھی مان لیا جائے تو بھی وہ بیان قطعی بالمعنی الاخص کے مقابلے میں ترجیح نہیں پا سکے گا، کیوں کہ قطعی بالمعنی الاعم اور قطعی بالمعنی الاخص میں تعارض ہو تو قطعی بالمعنی الاخص کو ترجیح حاصل ہوگی۔

اصول فقہ کی اصطلاح کے اعتبار سے اس طرح کہا جائے گا کہ مفسر کے مقابلے میں نص موجود ہو تو مفسر کو ترجیح ہوگی، کیوں کہ نص میں جانب مخالف کا احتمال بعید ہوتا ہے، اور مفسر میں جانب مخالف کا احتمال بعید بھی نہیں ہوتا، لہٰذا مفسر راجح قرار پائے گا۔

قرینہ اور بیان قطعی کی تفصیلی بحث ''البرکات النبویہ'' رسالہ دہم (باب سوم: فصل چہارم) میں ہے۔

ضروریات دین اور تکفیر کلامی کے باب میں بیان قطعی بالمعنی الاخص کا اعتبار ہوگا۔ قرینہ قطعی الاخص نہیں ہوتا، اس لیے ضروریات دین اور باب تکفیر کلامی میں قرینہ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

قال الغزالی (450–505): {قال تعالیٰ: (هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ) وَاَرَادَ بِهٖ الْقُرْاٰنَ–وَعَلٰى هٰذَا فَبَيَانُ الشَّيْءِ قَدْ يكون بعباراتٍ وُضِعَتْ بِالْاِصْطِلَاحِ–فَهِيَ بَيَانٌ فِيْ حَقِّ مَنْ تَقَدَّمَتْ مَعْرِفَتُهٗ بِوَجْهِ الْمُوَاضَعَةِ–وَقَدْ يكون بالفعل والاشارة والرَّمْزِ–اِذِ الْكُلُّ دَلِيْلٌ وَمُبَيِّنٌ–وَلٰكِنْ صَارَ فِيْ عُرْفِ الْمُتَكَلِّمِيْنَ مَخْصُوْصًا بالدلالة بالقول–فَيُقَال له: ''بيان حسن'' اَیْ كَلَامٌ حَسَنٌ رَشِيْقُ الدَّلَالَةِ عَلَى الْمَقَاصِدِ} (المستصفیٰ للغزالی جلد اول ص 366)

توضیح: منقولہ بالا عبارت سے واضح ہو گیا کہ متکلمین کے یہاں صرف قول کے ذریعہ بیان واقع ہوتا ہے۔ فعل، اشارہ، رمز وغیرہ قرینہ ہیں۔ قرینہ قطعی بھی ہو تو قطعی بالمعنی الاخص نہیں ہوتا اور ضروریات دین اور تکفیر کلامی کے باب میں قطعی بالمعنی الاخص دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، پس ضروریات دین اور تکفیر کلامی کے باب میں قرینہ کے ذریعہ معنی کا تعین نہیں ہوسکتا۔

قرینہ کبھی ظنی ہوتا ہے اور کبھی قطعی بالمعنی الاعم۔ جب قرینہ قطعی بالمعنی الاخص نہیں ہوتا تو ضروریات دین اور تکفیر کلامی کے باب میں قرینہ کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اسی طرح قرینہ کبھی بیان قطعی بالمعنی الاخص کے بالمقابل راجح قرار نہیں پائے گا، مثلاً قطعی قرینہ بتا رہا ہے کہ یہاں متکلم کی مراد کفری معنی ہے، لیکن بیان قطعی بالمعنی الاخص اس کے خلاف ہے تو بیان قطعی کا لحاظ ہوگا۔

اشخاص اربعہ کا کفری کلام، کفری معنی میں متعین اور مفسر یعنی کفری معنی میں قطعی بالمعنی الاخص ہے، اسی لیے تاویل قبول نہیں کی گئی۔ وہاں کسی قرینہ کے سبب کفری معنی کا تعین نہیں ہوا تھا، بلکہ خود کلام کفریہ معنی میں مفسر ومتعین تھا۔ مفسر کلام میں قرینہ یا بیان کا لحاظ نہیں ہوتا، بلکہ کلام کے متعین معنی کے اعتبار سے حکم جاری ہوتا ہے۔ محتمل کلام میں قرینہ یا بیان کا لحاظ ہوتا ہے۔

مسئلہ حاضرہ میں لفظ خطا متعدد معانی کا احتمال رکھتا ہے۔ جب فریق دوم نے بھی معنی کی وضاحت کے لیے قرینہ اور سیاق کلام کو دلیل بنایا تو اس کے یہاں بھی لفظ خطا محتمل ہے۔ اب متکلم کا قطعی بالمعنی الاخص بیان آ گیا تو قرینہ کا لحاظ نہیں ہوگا، بلکہ بیان قطعی بالمعنی الاخص کے سبب لفظ خطا سے خطائے اجتہادی مراد ہوگی۔

اگر خطائے اجتہادی، لفظ خطا کا معنی نہ ہوتی، تب متکلم کے بیان قطعی بالمعنی الاخص کا لحاظ نہیں ہوتا، کیوں وہ ایسے معنی کا بیان ہوجاتا کہ لفظ جس کا احتمال ہی نہیں رکھتا، لیکن یہاں لفظ خطا کا ایک معنی خطائے اجتہادی ہے تو متکلم کے بیان قطعی بالمعنی الاخص سے وہ معنی متعین ہوجائے گا اور قرینہ کی دلالت کا لحاظ نہیں ہوگا، کیوں کہ بیان قطعی بالمعنی الاخص کے بالمقابل قرینہ مرجوح ہوگا، گرچہ قرینہ قطعی بالمعنی الاعم بھی ہو۔

فریق دوم کی تعبیر بہت عمدہ

فریق دوم نے کہا کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مطالبہ قرآن مجید کے موافق تھا، لہٰذا وہ حق پر تھیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منع فرمانا حدیث کے موافق تھا، لہٰذا وہ بھی حق پر تھے، یعنی اس باب میں دونوں حق پر تھے۔ یہ عمدہ تعبیر ہے اور عوامی خلفشار سے بچنے کی عمدہ راہ ہے۔ دراصل عہد حاضر میں ہمیں حقانیت کے ساتھ ان راہوں کی تلاش اور ان تعبیرات کا لحاظ کرنا ہوگا، جس سے بد مذہبیت فنا ہوسکے۔ کئی سالوں سے رافضیت کا قدم اہل سنت و جماعت کی طرف بڑھتا جارہا ہے۔ ہمیں متحد و متفق ہوکر اس پر بند باندھنا چاہئے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم::والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم::وآلہ العظیم

طارق انور مصباحی

ایڈیٹر: ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی)

جاری کردہ: 26: جولائی 2020

☆☆☆☆☆

(۳)

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ

ڈاکٹر جلالی اور اصحاب جلال وکمال

(قسط دوم)

از: طارق انور مصباحی

ایڈیٹر: ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی)

امکان وقوعی کی بحث

فریق دوم نے متکلم کے امکان وقوعی والی بحث پر جو کلام کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب متکلم نے عہد ماضی میں تمام ممکن امور کے لیے امکان وقوعی، بلکہ ضرورت ودوام ثابت مان لیا تو تمام غیر معصومین کے لیے تمام گناہ اور کفر وارتداد بھی ممکن ہے تو اس اعتبار سے عہد ماضی کے تمام غیر معصومین کا معاذ اللہ کفر وشرک وغیرہ میں مبتلا ہونا ثابت ہوگیا اور ایسا قول کرنا مفضی الی الکفر ہے، لہٰذا متکلم پر کفر لزومی کا حکم عائد ہوتا ہے۔ (ملخصا)

جواب:

صفات الٰہیہ اور صفات بندگان الٰہی میں فرق

(1) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے امکان کی جو بحث فرمائی۔ (فتاویٰ رضویہ: ج15 ص 345-346) وہ بحث اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعلق ہے۔ وہ بحث بندوں کی صفات پر منطبق نہیں ہوسکتی۔ صفات الٰہیہ اور بندوں کی صفات میں بہت فرق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات، صفات کمالیہ ہیں۔(فتاویٰ رضویہ: ج15 ص349) تمام صفات بالفعل حاصل ہیں، بلکہ واجب بالذات ہیں۔(فتاویٰ رضویہ:15 ص348)

اگر کسی صفت کے بارے میں کہا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، لیکن حاصل نہیں ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ کوئی صفت کمال رب تعالیٰ سے متخلف ہے، اور اس کے علاوہ مزید دیگر نقص لازم آئیں گے۔

(فتاویٰ رضویہ:15 ص348)

اسی طرح اگر کوئی صفت بالفعل حاصل نہ ہو تو جب حاصل ہوگی، تب ذات الٰہی میں تغیر پایا جائے گا اور ذات الٰہی میں تغیر محال ہے۔(فتاویٰ رضویہ:15 ص347)

دیوبندیوں کے عقیدۂ امکان کذب کا رد کرتے ہوئے امام احمد رضا نے فرمایا کہ بقول دیابنہ جب کذب اللہ تعالیٰ کے لیے ممکن ہے تو یہ ثابت بھی ہوگا، بلکہ بالفعل اور دائمی وضروری طور پر ثابت ہوگا، کیوں کہ اگر کلام لفظی میں کذب ہو تو کلام نفسی میں بھی کذب ہوگا اور جب کلام نفسی میں کذب ہو تو وہ بالفعل، دائمی اور ضروری ہوگا۔

کلام لفظی میں اسی وقت کذب کا ثبوت ہوگا، جب کلام نفسی میں کذب کا ثبوت ہو، کیوں کہ کلام نفسی مدلول ہے اور کلام لفظی دال ہے۔ دال اسی کو بیان کرتا ہے جو کچھ مدلول میں ہوتا ہے۔

اگر کلام نفسی میں کذب نہ ہو تو کلام لفظی میں کذب کا ہونا محال ہوگا، کیوں کہ کلام لفظی دال ہے اور کلام نفسی مدلول ہے۔ کلام لفظی میں کذب پایا جائے اور کلام نفسی میں نہ پایا جائے تو مدلول کے وجود کے بغیر دال کا وجود پایا گیا اور یہ محال ہے۔ جیسے آئینہ کے سامنے کوئی جسم ہو تو آئینہ میں اس کا عکس آئے گا۔ جب آئینہ کے بالمقابل کوئی جسم نہ ہو تو آئینہ میں کوئی عکس نہیں آئے گا۔ وہی حال دال اور مدلول کا ہے۔

اسی طرح دال کا کاذب ہونا، اور مدلول کا صادق ہونا بھی محال ہے، کیوں کہ دال اسی کو بیان کرتا ہے جو مدلول میں ہو۔ جب مدلول میں کذب نہیں تو دال میں بھی کذب نہیں ہوگا۔ الحاصل جب کلام لفظی میں کذب ہو تو کلام نفسی میں بھی کذب ثابت ہوگیا اور کلام نفسی، ازلی، ابدی، واجب للذات اور مستحیل التجدد ہے۔

کلام نفسی میں بالفرض اگر کچھ کذب ہے (یہ مفہوم فعلیت ہے) تو ہمیشہ کذب ہی رہے گا (یہ مفہوم دوام ہے) اور وجوبی طور پر وہ کذب رہے گا (یہ مفہوم ضرورت ہے)۔ مستحیل التجدد ہونے کا یہی مفہوم ہے۔

پس کلام لفظی میں امکان کذب ماننے سے (معاذ اللہ عن ذلک) رب کو بالفعل کاذب ماننا اور کلام نفسی میں کذب کو بالفعل ماننا اور اس کذب کا دائمی وضروری ہونا ثابت ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ یہ سب الزامی مباحث ہیں جو کسی باطل کے بطلان کو واضح کرنے کو لکھ دیئے جاتے ہیں۔ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ امکان کذب کے دھبہ سے بھی پاک ہے۔(اعاذنا اللہ تعالیٰ من سوء الاعتقاد)

امام اہل سنت وجماعت نے فتاویٰ رضویہ (ج15 ص345-346) میں جو رقم فرمایا۔ اسی کی یہ توضیح ہے۔ بندوں کی صفات کے احکام الگ ہیں۔ بندوں کے لیے کوئی صفت ممکن بالذات ہو تو نہ اس سے امکان

وقوعی ثابت ہوتا ہے، نہ ہی فعلیت، نہ ہی دوام، نہ ہی ضرورت۔ نہ ہی وسعت، نہ ہی تکلیف، نہ ہی قدرت۔

بندگان الٰہی کی صفات کے احکام بالکل جداگانہ ہیں۔صفات الٰہیہ کے احکام اپنے باب تک محدود ہیں۔

بندوں کی صفات اورامکان وقوعی

(2)انسانوں کی دوقسمیں ہیں:(1)غیرمعصوم (2)معصوم۔

انسان سے کسی گناہ کا صدور محال بالذات یا واجب بالذات نہیں تو ممکن بالذات ہوگا۔تینوں صورتوں کا عدم نہیں ہوسکتا، یعنی نہ ممکن بالذات ہو، نہ محال بالذات، نہ واجب بالذات۔ جب ثابت ہوگیا کہ انسان سے گناہ کا صدور ممکن بالذات ہے تو وہ ممکن الوقوع ہے یا نہیں؟اگر وہاں استحالہ بالغیر ہوتو امکان ذاتی ثابت ہوگا، لیکن استحالہ بالغیر کے سبب امکان وقوعی ثابت نہیں ہوگا۔

امکان وقوعی کا عدم اس وقت تک ہوگا، جب تک کہ استحالہ بالغیر باقی رہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ استحالہ بالغیر دائمی ہو،اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ استحالہ بالغیر عارضی اور غیر دائمی ہو۔

انسان معصوم کے لیے عصمت الٰہی ثابت ہے اور یہ دائمی طور پر ثابت ہے تو انسان معصوم سے گناہ کے صدور کا امکان وقوعی دائمی طور پر معدوم ومسلوب ہوگا۔

انسان غیر معصوم سے گناہ کے صدور کا امکان ذاتی اور امکان وقوعی دونوں ثابت ہیں اور جب استحالہ عارضی بھی ثابت نہ ہو تو امکان وقوعی دوام،ضرورت اور فعلیت کے ساتھ ثابت ہوگا،لیکن امکان وقوعی کے دائمی، ضروری اور بالفعل ہونے سے کسی گناہ کا صدور ثابت نہیں ہوجاتا۔

میرے پاس سوروپے ہیں اور میں مٹھائی کی دوکان میں موجود ہوں،اور مٹھائی خریدنے سے کوئی امر مانع نہیں تو میں مٹھائی خریدنے پر بالفعل قادر ہوں۔ یہاں قدرت کا امکان ذاتی اور امکان وقوعی فعلیت کی صفت کے ساتھ موجود ہے تو اس سے مٹھائی خریدنا ثابت نہیں ہوجاتا۔ جب خریدوں گا،تب خریدنا ثابت ہوگا۔

بندگان الٰہی احکام خداوندی کے مکلّف ہیں تو مکلّف ہونے کی تین شرطیں ہیں۔ جب بندہ کسی امر کا مکلّف ہے تو وہ امر ممکن بالذات ہو،ممکن الوقوع بھی ہو،اور بندہ کی وسعت وقوت میں بھی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:{لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعها}(سورہ بقرہ: آیت286)

اس فعل کے صدور کے لیے مزید ایک چوتھا امر چاہئے ،جس کو استطاعت کہا جاتا ہے۔علم کلام کی کتابوں میں استطاعت مع الفعل کی بحث دیکھ لیں۔کسی امر کے ممکن الوقوع ہونے سے اس کا صدور کیوں کر ہوگا۔

فعل کے ممکن الوقوع ہونے کے ساتھ فاعل کے اندر وسعت (سلامت اسباب وآلات)اور استطاعت (حقیقت قدرت جس سے فعل واقع ہو) چاہئے۔

الحاصل کوئی گناہ ممکن بالذات ہو، یا ممکن وقوعی۔گناہ کے امکان ذاتی یا امکان وقوعی کے ثبوت سے کوئی حکم بندوں پر عائد نہیں ہوگا۔ جب بندوں سے کسی گناہ کا صدور ہوگا،تب حکم عائد ہوگا۔

فعل کے صدور کے باوجود بعض شرطیں ایسی ہیں کہ ان کے فقدان کے وقت حکم صادر نہیں ہوگا،مثلاً مکرہ ومجبور نے توحید الٰہی کا زبان سے انکار کردیا اور دل میں تصدیق باقی ہے تو اس پر حکم کفر عائد نہیں ہوگا۔

لزوم کفر کب ثابت ہوتا ہے؟

(3) متکلم نے یہ کہا ہے کہ عہد ماضی میں کسی امر کا امکان تھا تو عہد ماضی اور زمان حال میں اس کا امکان وقوعی تسلیم کیا جائے گا اور مستقبل کا حکم الگ ہے۔فریق دوم نے امکان وقوعی سے اس امر کا صدور وظہور مراد لے لیا، حالاں کہ امکان وقوعی تسلیم کرنے سے فعل کا صدور ثابت نہیں ہوتا۔

اگر بالفرض امکان وقوعی سے فعل کا صدور مراد لیا جائے تو فریق دوم کے استدلال کے اعتبار سے غیر معصومین کے لیے جہاں کفر وارتداد کا ثبوت ہو جائے گا، وہیں قطبیت وغوثیت اور ولایت ومعرفت اور ایمان وعمل صالح کا بھی ثبوت ہو جائے گا اور یہ معلوم ہے کہ ایمان وکفر دو متضاد امر ہیں، دونوں ایک ہی انسان کے لیے بیک وقت ثابت نہیں ہو سکتے تو یہاں اجتماع متضادین کے محال ہونے کے سبب کسی ایک ہی کا ثبوت ہوگا۔

اب ان دونوں متضادین میں سے کس کا ثبوت مانا جائے؟ کسی کو ترجیح دینے کا کوئی سبب ظاہر نہیں۔

جب دونوں امور متعارض ہیں اور سبب ترجیح موجود نہیں تو جس اعتبار سے ثبوت مانا گیا تھا، اس اعتبار سے دونوں کو ساقط الاعتبار ماننا ہوگا، اور پھر صدور حقیقی کے اعتبار سے کلام ہوگا کہ جس نے حقیقت میں ایمان لایا، وہ مومن ہے اور جس سے حقیقی طور پر کفر صادر ہوا، وہ کافر ہے۔

واضح رہے کہ یہ محض ایک بحث ہے، ورنہ متکلم نے نہ تمام غیر معصومین کا ذکر کیا ہے، نہ ہی غیر معصومین کے ایمان وکفر کی بات کی ہے۔فریق دوم نے بھی اقرار کیا کہ متکلم نے یہ سب کہا نہیں ہے، لیکن اس کے قول سے ایسا لازم آتا ہے، اور یہ حوالہ دیا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے بھی دیابنہ کے امکان کذب کے قول اور اللہ تعالیٰ کے ہر شئ پر قادر ہونے کے قول پر بحث کرتے ہوئے لازم آنے والے بہت سے امور کا ذکر کیا ہے، تا کہ قول کی شدت کو واضح کیا جا سکے۔

لیکن فریق دوم نے یہ نہیں دیکھا کہ دیابنہ نے جو کچھ کہا تھا، صرف اسی پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ القوی نے حکم شرعی بیان فرمایا، گرچہ بہت سے لازم آنے والے مفاسد کا ذکر فرمایا، جب کہ یہاں فریق دوم نے ان امور پر حکم شرعی کی بنیاد رکھی، اور متکلم پر کفر لزومی کا حکم عائد کر دیا، جن کو متکلم نے بیان ہی نہ کیا تھا، نہ صراحتاً، نہ کنایۃً۔گرچہ فریق دوم کی فہم ثاقب کے مطابق وہ امور ثابت ہو رہے ہوں۔

جب کسی کلام سے کسی ضروری دینی کا التزامی انکار ثابت ہوتا ہے تو اس کے قائل پر کفر کلامی کا حکم عائد ہوتا ہے، اور کسی کلام سے ضروری دینی کا لزومی انکار ثابت ہوتا ہے تو اس کے قائل پر کفر فقہی کا حکم ہوتا ہے۔

متکلم کے کلام میں نہ کسی ضروری دینی کا انکار ہے، نہ ضروریات اہل سنت میں سے کسی امر کا انکار ہے، پھر متکلم پر حکم کفر کیسے؟

نہ متکلم کے کلام سے التزامی طور پر مومنین کا کافر ہونا ثابت ہوتا ہے، نہ لزومی طور پر، پھر متکلم پر حکم کفر کیسے؟

فریق دوم نے لزوم کفر کی جو توضیح کی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ متکلم نے ایک قول کیا، جس سے ایک دوسرا قول لازم آیا، اب اس دوسرے قول کے اعتبار سے متکلم پر کفر لزومی کا حکم عائد ہوا۔متکلم نے کہا کہ عہد ماضی میں جس امر کا امکان ذاتی ہو، اس کا امکان وقوعی ثابت ہوتا ہے۔

اس پر فریق دوم کے نقد وجرح کا خلاصہ یہ ہے کہ: عہد ماضی میں تمام غیر معصومین سے کفر وشرک کا صدور ممکن تھا اور جب صدور ممکن تھا تو بقول متکلم اس کفر وشرک کا صدور ثابت ہوا، جب سب کا کفر وشرک ثابت ہوا، تو

اس سے عہد ماضی کے مومنین کا کافر ہونا ثابت ہوا، اور جس قول سے مومنین کا کافر ہونا لازم آئے، وہ قول خود کفریہ ہوگا اور قائل پر لزومی کفر کا حکم ہوگا۔

فریق دوم کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ متکلم نے جو کلام کہا ہے۔خود اس کلام سے لزومی یا التزامی کفر ثابت ہوگا، تب متکلم پر کوئی حکم شرعی وارد ہوگا۔متکلم کے قول سے کوئی دوسرا قول لازم آئے، پھر اس قول لازم سے کفر لازم آئے تو قول لازم سے یہ کفر لازم آیا۔متکلم کے قول سے کفر لازم نہ آیا۔جب متکلم کے کلام سے کفر لازم نہ آیا تو اس پر حکم کفر کیوں کر ہوگا؟

کیا امکان ذاتی امکان وقوعی کو مستلزم ہے؟

متکلم کا قول کہ عہد ماضی میں امکان ذاتی کے ثبوت سے امکان وقوعی کا ثبوت ہو جاتا ہے۔

یہ اسی وقت ہوگا، جب استحالہ بالغیر معدوم ہو، ورنہ ممکن بالذات کے لیے جس عہد میں بھی امتناع بالغیر ثابت ہوگا، اس عہد میں امکان وقوعی ثابت نہیں ہوگا۔

حاشیہ کلنبوی کی عبارت: {فالامکان الوقوعی انما یستلزم وقوع الطرف الممکن بالفعل بالقیاس الی الزمان الماضی او الحال، لا الاستقبال} (حاشیۃ الکلنبوی علیٰ شرح الدوانی علی العضدیہ)

منقولہ بالا عبارت میں طرف ممکن سے طرف وجود مراد لینا محل نظر ہے۔طرف عدم بھی مراد ہو سکتی ہے۔

ممکن بالذات میں طرف وجود اور طرف عدم دونوں طرف ممکن بالذات ہوتی ہے۔اب اگر طرف عدم ممکن الوقوع ہو، اور طرف وجود ممکن بالذات اور محال بالغیر ہو، تو یہاں طرف عدم ممکن الوقوع بالفعل ہوگی، کیوں کہ طرف وجود محال بالغیر ہونے کے سبب معدوم ہے تو اگر طرف عدم بھی معدوم ہو تو وجود وعدم دونوں کا معدوم ہونا لازم آئے گا، اور ارتفاع نقیضین لازم آئے گا، پس جب اس ممکن کا وجود نہیں تو عدم ثابت ہوگا، پھر یہاں طرف ممکن الوقوع سے طرف وجود مراد لینا کیوں کر صحیح ہوگا؟

ہاں، جب ممکن کی جانب وجود وجانب عدم میں سے کسی جانب استحالہ بالغیر نہ ہو تو دونوں جانب ممکن الوقوع ہوں گی، لیکن محض ممکن الوقوع ہونے کے سبب کسی ایک جانب کا بالفعل ہونا ثابت نہ ہوگا، گرچہ کوئی ایک جانب وہاں بالفعل ثابت ہوگی، ورنہ ارتفاع نقیضین لازم آئے گا، مگر جانب ثابت کے ساتھ جانب غیر ثابت کا امکان وقوعی ثابت ہوگا، کیوں کہ جانب غیر ثابت میں استحالہ بالغیر نہیں ہے۔ہاں، دونوں جانب، یعنی جانب وجود وجانب عدم دونوں بیک وقت موجود بالفعل یعنی بالفعل ممکن الوقوع نہیں ہوگی۔

سوال: جب کسی کے لیے جانب ایمان ثابت ہے تو جانب ایمان کے ثبوت کے وقت جانب کفر کا ثبوت محال ہے، ورنہ اجتماع نقیضین لازم آئے گا، تو ثبوت ایمان کے وقت ثبوت کفر ممتنع بالغیر ہونا چاہئے۔

جواب: جانب ایمان کے ثبوت کے وقت جانب کفر کا ممکن الوقوع ہونا ثابت ہے، ممکن الوقوع بالفعل ہونا ثابت نہیں۔ممکن الوقوع بالفعل ہونا اسی وقت ثابت ہوگا، جب ایمان کا زوال ہو جائے، نیز ایمان ممکن الزوال ہے۔جب ایک طرف ممکن الزوال ہوگی تو طرف ثانی ممکن الوجود اور ممکن الوقوع ہوگی، گرچہ ممکن الوجود بالفعل یعنی بالفعل موجود نہ ہو۔ارباب منطق توجہ فرمائیں اور متکلم بھی نظر ثانی فرمائے۔

رب تعالیٰ کے وعدۂ عصمت کے سبب معصوم کے لیے گناہ محال بالغیر ہوگا، ورنہ کذب کلام الٰہی لازم آئے گا، اور یہ محال بالذات ہے۔محفوظ عن الخطا کے لیے حفاظت ثابت ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ گناہ کا صدور نہیں

ہوگا،یعنی گناہ ممکن بالذات اور ممکن الوقوع ہوگا،لیکن ممکن الوقوع بالفعل نہیں ہوگا،کیوں کہ وہ حفاظت الٰہی میں ہے۔ان شاءاللہ تعالیٰ عصمت وحفاظت کے مفہوم شرعی پر غور وفکر کے بعد حسب ضرورت مزید تفصیل رقم کی جا سکتی ہے۔یہاں محض منطقی الفاظ واصطلاحات کے اعتبار سے کلام ہے:واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مناظرہ اورافتا کے احکام

متکلم کا بیان اول جس میں لفظ خطا کا ذکر ہے۔وہ ایک رافضیہ عورت کی بدگوئی کے جواب میں تھا،اس لیے اس کا شمار مناظرانہ مباحث میں ہوگا،اورارباب فقہ وافتا پر واضح ہے کہ مناظرانہ مباحث کے وہ احکام نہیں جو عام مباحث اور عام کلمات کے احکام ہیں۔بحث ومناظرہ میں بیان کردہ الزامی جوابات کو اعتقاد پر محمول نہیں کیا جاتا۔

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز کے رسالہ''القمع المبین فی آمال المکذبین''(فتاویٰ رضویہ جلد 15ص 470 تا472-ص511-جامعہ نظامیہ لاہور)کے اخیر میں مناظرانہ مباحث کے احکام مرقوم ہیں۔اسی طرح فتاویٰ رضویہ جلد15ص 514 تا519 میں بحث ومناظرہ کے احکام مرقوم ہیں۔مناظرہ اورافتا کے احکام جداگانہ ہیں۔مسئلہ حاضرہ میں اس کا بالکل لحاظ نہیں کیا گیا۔

ہاں،جب مناظر سے ان کا اعتقاد دریافت کیا جائے تو اعتقاد صحیح کو بیان کرنا ضروری ہے۔اسی طرح مناظراتی مباحث میں از روئے شرع قابل گرفت جملوں کا علم وادراک ہونے پر اس سے توبہ ورجوع لازم ہے۔خواہ خود سے اس جانب متوجہ ہو،یا کسی کے توجہ دلانے پر اپنی خطا کا علم ہو۔چوں کہ مسئلہ حاضرہ میں متکلم کے جملوں میں تاویل صحیح کی گنجائش موجود ہے،اس لیے نہ فقہا کے اصول کے اعتبار سے کوئی حکم عائد ہوتا ہے،نہ ہی متکلمین کے اصول کے اعتبار سے۔لفظ خطا کے معانی اورامکان وقوعی کا مفہوم ماقبل میں مرقوم ہوا۔

متکلم کا حکم شرعی

متکلم لزوم کفر یا بےادبی کے جرم سے بری ہے۔بےادبی کا جرم اس لیے ثابت نہیں کہ متکلم نے بیان اول میں خطا سے اجتہادی خطا مراد لی ہے اور ارباب فضل وکمال کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت بےادبی نہیں۔

لزوم کفر اس لیے ثابت نہیں کہ متکلم کے کلام سے مومنین کا کافر ہونا لازم نہیں آتا،بلکہ کسی ایسے قول سے مومنین کا کفر لازم آتا ہے جو متکلم نے کہا نہیں ہے:واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

مندرجہ ذیل سوالات کو حل فرمائیں،تاکہ مستقبل میں انتشار واختلاف ختم ہوسکے:

(1)غیر معصومین کے لیے بوجہ ضرورت لفظ خطا کے مطلق استعمال کا حکم شرعی کیا ہے؟

(2)غیر معصومین کی طرف بوجہ ضرورت صدور گناہ کی نسبت کا کیا حکم ہے؟

(3)آداب وتوقیر کے باب میں''مومن بہ''اور غیر مومن بہ کا حکم یکساں ہے یا مختلف؟

''مومن بہ''وہ ہے جس پر ایمان لا کر آدمی مومن ہوتا ہے۔ان میں ذات وصفات الٰہی،کتب خداوندی،حضرات انبیا وملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام،فرائض اربعہ،قیامت وامور آخرت وجملہ ضروریات دین شامل ہیں۔

(4)کیا حضرات صحابہ کرام واہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی''مومن بہ''ہیں؟

ارشاد الٰہی ہے:{آمنت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ}(سورہ بقرہ)

(5)''مومن بہ''کی بےادبی کفر ہے،کیوں کہ وہ تصدیق وایمان کے منافی ہے۔

غیر مومن بہ یعنی مومنین کی توہین وبےادبی حرام وناجائز ہے یا کفر ہے؟

واضح رہے کہ مومنین کی بے ادبی ایمان یا خدا اور رسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی نسبت سے کی جائے تو اس کا حکم بدل جائے گا، مثلاً زید کو کسی ذاتی دشمنی کے سبب قتل کرنا حرام ہوگا، لیکن زید کو اس لیے قتل کیا کہ وہ مسلمان ہے تو محض ایمان واسلام کے سبب زید کو قتل کرنا کفر ہوگا۔ کسی دوسرے سبب سے قتل مومن کفر نہیں۔

مومن کے حکم میں دو حیثیت کا لحاظ ہوسکتا ہے، یعنی ایک اس کی ذاتی حیثیت کے لحاظ سے حکم شرعی، اور ایک نسبتی حیثیت یعنی ایمان واسلام کی نسبت سے خاص شرعی حکم ۔نسبت کے سبب وارد ہونے والا حکم سخت ہوگا۔

کسی صحابی کی ذاتی حیثیت کے اعتبار سے حکم شرعی اور پھر صحبت نبوی کے سبب خاص حکم شرعی، مثلاً کسی صحابی کی توہین کرنے کا حکم الگ ہوگا، اور صحابی رسول ہونے کی حیثیت سے ان کی توہین کا حکم الگ ہوگا۔

''مومن بہ'' کے حکم میں دو حیثیت ملحوظ نہیں ہوگی، مثلاً ایک حکم نبی ہونے کے اعتبار سے ہو، اور ایک حکم محض انسان ہونے کے اعتبار سے ہو۔ وہاں ان کی حیثیت خاصہ ہی کا لحاظ ہوگا، اور حکم میں سختی ہوگی۔ ان کی بے ادبی، ایذا، بدگوئی، ان پر ظلم، ان کا قتل وغیرہ تمام امور میں ان کو نبی کی حیثیت سے ملحوظ کر کے مجرم پر حکم عائد ہوگا۔

(6) حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام بنی آدم میں سب سے افضل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے بعد سب سے افضل حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ توہین و بے ادبی سے بڑا جرم قتل ہے۔ سوال یہ ہے کہ قاتلین خلیفہ سوم، مومن ہیں یا کافر؟ اہل سنت وجماعت سے خارج ہیں یا داخل ہیں اور محض گنہ گار و مرتکب حرام؟

(7) بعض قول کے مطابق خواص بشر خواص ملائکہ وعوام ملائکہ سے افضل ہیں اور عوام بشر عوام ملائکہ سے افضل ہیں، یعنی حضرات انبیا و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام، مرسلین ملائکہ علیہم السلام و دیگر ملائکہ سے افضل ہیں، اور غیر نبی بشر، غیر مرسل ملائکہ سے افضل ہیں، اس اعتبار سے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم عام ملائکہ (غیر مرسل ملائکہ) سے افضل ہوئے۔ اس افضلیت کے باوجود کسی صحابی یا صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توہین کفر نہیں اور فرشتہ کی توہین کفر ہوگی، کیوں کہ وہ ''مومن بہ'' ہیں۔ مومن بہ اور مومن کے احکام میں فرق ہے۔

مذکورہ بالا سوالات اس لیے مرقوم ہوئے کہ فکر روافض اہل سنت وجماعت میں داخل ہوتی جا رہی ہے، اور فکر رافضیت کی بنیاد محبت میں غلو اور اتباع نفس پر ہے۔ اسی غلو و نفس پرستی کے سبب وہ کفر و گمرہی میں مبتلا ہوئے۔

یہ لوگ حضرات اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے بعض نفوس قدسیہ کو حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت دینے لگے۔ نفس پرستی ایسی عام کہ شرعی احکام کا بھی کچھ پاس ولحاظ ہی نہیں۔

مذکورہ بالا سوالوں کے جواب میں ارباب فضل وکمال کے جو مراتب مذہب اسلام میں مقرر ہیں، ان سے آشنائی ہوگی، اور اتباع نفس سے نجات کی راہیں معلوم ہوں گی۔ ہم محکوم ہیں۔ اپنی مرضی اور اپنی پسند کے اعتبار سے کوئی حکم کسی کے لیے متعین نہیں کر سکتے۔ جو حکم اسلام نے دیا ہے، اسی پر کاربند رہنا ہمارے لیے لازم ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم:: والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم:: وآلہ العظیم

طارق انور مصباحی

ایڈیٹر: ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی)

جاری کردہ: 27: جولائی 2020

☆☆☆☆☆

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ

ڈاکٹر جلالی اور اصحاب جلال وکمال

(قسط سوم)

از: طارق انور مصباحی

ایڈیٹر: ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی)

قسط اول اور قسط دوم کے مشمولات پر واردشدہ سوالوں کے جوابات مرقومہ ذیل ہیں::

ان شاء اللہ تعالیٰ قسط چہارم میں شیعہ مذہب کے مطابق عصمت کا مفہوم اور حضرت سیدہ طیبہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اجتہاد سے متعلق بحث ہوگی، اور قسط دوم کے سوالات سبعہ پر بھی بحث ہوگی۔

سوال اول:

کیا اپنے قول وفعل کی صحت کا علم ہوتے ہوئے بھی محض دفع فتنہ وفساد کے لیے مشروط توبہ کی جاسکتی ہے؟ یعنی اس طرح کہا جائے: ''اگر میرا قول وفعل عندالشرع قابل گرفت ہے تو میں نے توبہ ورجوع کیا''۔

جواب:

دفع فتنہ وفساد کے لیے سبط پیمبر مرجع الاقطاب حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کاتب وحی حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرمادی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حدیث مبارک میں اسی عمل کی تحسین فرمائی تھی، اور حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''سید'' یعنی سردار قوم قرار دیا تھا۔ ہاں، اگر مشروط توبہ کے عدم جواز پر کوئی فقہی جزئیہ موجود ہو تو اسی پر عمل کیا جائے۔

سوال دوم:

متکلم نے حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی تشریح میں کہا تھا: ''خطا پر تھیں''۔

ماقبل میں جس خطا کا ذکر ہے، وہ معصیت ہے، کیوں کہ ماقبل میں محفوظ عن الخطا کا ذکر ہے اور محفوظ عن الخطا معصیت سے محفوظ رہتے ہیں، نہ کہ خطائے اجتہادی سے۔ اجتہادی خطا کا صدور محفوظ عن الخطا سے ہوتا ہے، پس یہاں خطا سے اجتہادی خطا مراد نہیں ہوسکتی، بلکہ معصیت مراد ہوگی، جس سے محفوظ عن الخطا محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ متکلم کے قول ''خطا پر تھیں'' کا مفہوم ہوگا کہ معصیت پر تھیں۔ اصحاب تطہیر کی طرف معصیت کی نسبت یقیناً بے ادبی ہے، پھر متکلم پر بے ادبی کا حکم کیوں کر عائد نہیں ہوگا؟

جواب:

نہ کتاب (التصفیہ بین السنی والشیعہ) میں اس مقام پر محفوظ عن الخطا کا ذکر ہے، نہ ہی متکلم کی شرح میں محفوظ عن الخطا کا ذکر ہے، پھر یہ اعتراض ہی لغو اور باطل ہے۔ قسط اول میں محض فریق دوم کے اعتراض کا لحاظ کر کے جواب رقم کیا گیا ہے۔

کتاب ''التصفیہ بین السنی والشیعہ''میں اس جگہ محفوظ عن الخطا کا ذکر نہیں، بلکہ معصوم کا ذکر ہے،اور شیعوں کے اعتقاد کے مطابق ائمہ اہل بیت کے معصوم ہونے کا ذکر ہے۔

روافض ائمہ اہل بیت کو معصوم قرار دیتے ہیں۔شیعوں کے اعتقاد کے مطابق ائمہ معصومین گناہ، بھول چوک، اجتہادی خطا اور سیاسی امور میں خطا سے پاک ہوتے ہیں۔شیعوں کے اسی اعتقاد کا رد حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز نے فرمایا اور امکان خطا ثابت فرمایا ہے تو کتابی عبارت میں لفظ خطا سے خطا کی وہ تمام قسمیں مراد ہوں گی، ائمہ کرام کی عصمت کے سبب خطا کی جن قسموں کو روافض ناممکن مانتے ہیں۔اسی طرح لفظ خطا کی تعمیم کا لحاظ کرتے ہوئے خطا کی باقی ماندہ قسمیں بھی مراد ہوں گی۔

روافض کے یہاں ائمہ معصومین (۱) گناہ ومعصیت (۲) خطائے اجتہادی (۳) بھول چوک، سہو ونسیان (۴) اور سیاسی امور میں خطا سے پاک ہیں۔

کتابی عبارت میں لفظ خطا سے خطا کی تمام قسمیں مراد ہوں گی، کیوں کہ تاجدار گولڑہ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے خطا کے مفہوم میں تعمیم کے لیے ''کسی قسم کی بھی خطا'' کا لفظ رقم فرمایا۔عبارت درج ذیل ہے:

''آیت تطہیر کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ پاک گروہ معصوم ہیں اور ان سے کسی قسم کی بھی خطا کا سرزد ہونا ناممکن ہے''۔(التصفیہ بین السنی والشیعہ ص ۴۶-پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور)

اسی عبارت کی تشریح میں متکلم نے کہا:''خطا کا امکان تھا اور خطا پر تھیں''۔

کتابی عبارت میں ''کسی قسم کی بھی خطا'' کا لفظ مذکور ہے۔اس تعمیم کے باوجود کتابی عبارت میں محض معصیت مراد لینا اور خطا کی تخصیص مفہوم معصیت کے ساتھ کر کے خطا سے محض معصیت مراد لینا ہرگز صحیح نہیں۔

یہ روافض کا رد ہے۔روافض معصوم کے لیے خطا کی جن قسموں سے عصمت مانتے ہیں۔وہ تمام قسمیں یہاں مراد ہوں گی، اور لفظ کی تعمیم کا لحاظ کرتے ہوئے روافض کی بیان کردہ قسموں کے علاوہ بھی خطا کی باقی ماندہ ساری قسمیں مراد ہوں گی، اور لفظ خطا ان تمام معانی کا محتمل ہوگا، جن کا احتمال لفظ خطا میں لغوی طور پر ہے، اور جن معانی کا احتمال شیعہ مذہب کے مطابق ہے۔

متکلم کی تشریح میں وارد شدہ لفظ خطا میں کن معانی کا احتمال ہے؟ اور کون سا معنی مراد ہو سکتا ہے؟ اگر متعدد معانی مراد ہو سکتے ہیں تو ان میں کس معنی کو ترجیح حاصل ہے؟ اس کی بحث مندرجہ ذیل ہے۔

متکلم کی شرح میں ہر قسم کی خطا، یعنی خطائے اجتہادی، خطائے معصیت اور خطائے غیر معصیت (بھول چوک، سہو ونسیان جو معصیت نہ ہو)، یہ تینوں معانی مراد نہیں ہو سکتے، پس کوئی ایک ہی معنی تشریح میں مراد ہوگا۔

(الف) اگر وہ خطا، خطائے اجتہادی ہے تو وہ معصیت یا غیر معصیت بھول چوک، سہو ونسیان نہیں۔

(ب) اگر وہ خطا معصیت ہے تو وہ خطائے اجتہادی اور غیر معصیت بھول چوک، سہو ونسیان نہیں۔

(ج) اگر وہ خطا بھول چوک، سہو ونسیان ہے تو خطائے اجتہادی اور معصیت نہیں۔

درحقیقت یہاں کتابی عبارت میں تعمیم ہے، کیوں کہ وہاں ہر قسم کی خطا کا ذکر ہے، اور تعمیم کے مفہوم کو بتانے کے لیے ''کسی قسم کی بھی خطا'' کا لفظ مرقوم ہوا۔متکلم کی تشریح میں تعمیم نہیں ہے، یعنی ہر قسم کی خطا مراد نہیں اور نہ مراد ہو سکتی ہے، ورنہ ایک ہی عمل یعنی مطالبہ باغ فدک کا معصیت اور غیر معصیت ہونا لازم آئے گا، اور ایک ہی عمل کا معصیت وغیر معصیت ہونا محال ہے اور جس سے محال لازم آئے، وہ خود بھی محال ہوتا ہے۔

دوسرا استحالہ یہاں یہ ہے کہ اگر متکلم کی شرح میں لفظ خطا کو تعمیم پر محمول کر دیا جائے تو ایک ہی عمل کا موجب اجر وثواب اور موجب ذنب وگناہ ہونا لازم آئے گا، اور ایک ہی امر کا موجب ثواب وگناہ ہونا محال ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ خطائے اجتہادی ہونے کی وجہ سے وہ عمل، اجر وثواب کا سبب ہوگا اور معصیت ہونے کے سبب بعینہ وہی عمل ذنب وگناہ کا سبب ہوگا، پس ایک ہی عمل کا فعل گناہ اور فعل ثواب ہونا ثابت ہوا۔ یہ محال ہے اور یہ دونوں استحالہ اس وقت لازم آئے گا، جب شرح میں لفظ خطا کو تعمیم پر محمول کر دیا جائے۔

مذکورہ دونوں صورتوں کے علاوہ بھی یہاں لزوم استحالہ کی متعدد صورتیں موجود ہیں۔ دراصل محتمل لفظ میں بیک وقت متعدد معانی مراد لینے سے عیب لازم آتا ہے۔ وہی عیب واعتراض یہاں لازم آ رہا ہے۔

متکلم نے کتاب کی عبارت پڑھی، پھر تشریح کی۔ تشریح میں تین بار لفظ خطا کا استعمال ہوا۔ تینوں جگہ لفظ خطا محتمل ہی ہے، اور کسی مفہوم کے مراد لینے کے لیے قرینہ، بیان متکلم یا کسی دلیل کی ضرورت ہوگی۔ متکلم کی شرح میں مذکور لفظ خطا کے مفہوم کے تعین کے لیے ایک قرینہ بھی موجود ہے، اور متکلم کا بیان قطعی بھی موجود ہے۔

متکلم کی تشریح مندرجہ ذیل ہے۔ اس سے بھی واضح ہو جائے گا کہ محفوظ عن الخطا جس خطا سے محفوظ ہوتے ہیں، یہاں اس کا ذکر نہیں، نہ ہی شرح میں تعمیم ہو سکتی ہے، کیوں کہ شرح میں خطا کو ایک خاص فعل یعنی مطالبہ باغ فدک سے متعلق کر دیا گیا ہے۔ ایک ہی فعل متضاد صفات کا حامل نہیں ہو سکتا تو یہاں متضاد معانی مراد بھی نہیں ہو سکتے۔ کتابی عبارت میں اس مقام پر خطا کو کسی فعل سے متعلق نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ائمۂ اہل بیت سے متعلق شیعوں کے عقیدۂ عصمت کی تردید ہے۔

متکلم کی تشریح

متکلم نے کہا: ''یعنی یہ فرمایا کہ مسئلہ باغ فدک میں اے روافض تم دلیل نہ بناؤ کہ معصوم تھیں تو مانگنا ہی حق کی دلیل ہے۔

یعنی خطا کا امکان تھا اور خطا پر تھیں، جب مانگ رہی تھیں تو خطا پر تھیں، لیکن جب آگے سے حدیث آئی تو ان کی یہ شان ہے کہ جن کے جگر کا یہ ٹکڑا ہیں ان کی حدیث سن کر سر تسلیم خم کر دیا۔ (خطاب اول از متکلم)

متکلم کا یہ قول کہ حضرت سیدہ بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حدیث نبوی سن کر مطالبہ ترک فرما دیا، واضح قرینہ ہے کہ متکلم نے خطا سے خطائے اجتہادی مراد لی ہے، کیوں کہ جب حدیث نبوی سن کر مطالبہ ترک فرما دیا تو اس کی ایک ہی صورت ہے کہ حدیث کی عدم معرفت کے سبب قرآن مجید میں بیان کردہ حکم وراثت کی بنیاد پر حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مطالبہ فرما رہی تھیں، پھر جب حدیث نبوی میں مال نبوی میں عدم وراثت کا حکم سماعت فرمائیں تو مطالبہ ترک فرما دیں۔

حدیث نبوی کے علم کے بعد مطالبہ کو ترک کرنے کا قول کرنا واضح قرینہ ہے کہ متکلم کی مراد یہ ہے کہ اجتہاد کے سبب حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے میراث کا مطالبہ فرمایا تھا، پھر حدیث کی معرفت کے بعد جب اس مطالبہ کا شرعی طور پر کالعدم ہونا ثابت ہو گیا تو آپ نے مطالبہ ترک فرما دیا۔

زید نے بکر کے ہاتھ میں ایک رومال دیکھا اور اس کا رنگ وروپ بالکل زید کے رومال کی طرح تھا۔ اس نے اپنا رومال سمجھ کر بکر سے اس رومال کا مطالبہ کیا، پھر کسی نے کہا کہ تمہارا رومال تمہاری جیب میں ہے۔ اس نے دیکھا کہ اس کا رومال اس کی جیب میں ہے تو یہ لاعلمی کے سبب مطالبہ ہوا۔ جب اسے معلوم ہو گیا کہ میرا رومال

میری جیب میں ہے تو اس نے مطالبہ ترک کر دیا۔ یہ جرم نہیں، بلکہ ایک شبہہ کے سبب یہ مطالبہ صادر ہوا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ زید کو معلوم ہو گیا کہ اس کا رومال اس کی جیب میں ہے، پھر بھی مطالبہ جاری رکھا تو یہ جرم ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ زید کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ اس کا رومال اس کی جیب میں ہے، پھر بھی بکر سے مطالبہ کر رہا ہے تو یہ بھی جرم ہے۔ یہ محض جرم کی شکلوں کی تفہیم کے لیے مثال لکھی گئی ہے۔ اس کو واقعہ باغ فدک پر منطبق کر کے بلاوجہ بکھیڑا کھڑا نہ کیا جائے۔

چوں کہ خطا کا ایک معنی خطائے اجتہادی ہے تو وہ معنی یہاں مراد ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ سوال ممکن ہے کہ جب حضرت سیدہ طیبہ زاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرآن مقدس میں منصوص حکم کے مطابق سوال فرمایا تھا تو اس کو اجتہاد کیوں کہا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اہل علم نے اس (یعنی آیت مقدسہ کے عموم سے استدلال) کو اجتہاد کہا ہے۔ اب اگر متکلم کو اجتہاد والے اقوال پر ہی اطلاع ہوئی، اسی اعتبار سے اس کو اجتہاد کہا تو متکلم پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔

حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اجتہاد کے سبب باغ کا مطالبہ فرمائی تھیں، یا قرآن کی نص قطعی کے پیش نظر؟ اس بارے میں علما کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آیت میراث میں تعمیم سمجھیں اور میراث انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خصوصی حکم سے عدم معرفت کے سبب وراثت کا مطالبہ فرمائیں، پھر جب حدیث نبوی کا علم وادراک ہوا تو آپ نے مطالبہ ترک فرما دیا۔

آیت قرآنیہ کے حکم میں تعمیم سمجھنے کو بعض علما نے اجتہاد قرار دیا، اور بعض علما اس کو نص قرآنی پر عمل قرار دیتے ہیں۔ یہ الگ بحث ہے کہ یہ اجتہاد ہے یا قرآن کی نص قطعی پر عمل۔ ان شاء اللہ تعالیٰ قسط چہارم میں اس موضوع پر بحث ہوگی۔

غلطی اور خطا کا لفظ

اردو زبان میں ارباب فضل وکمال کے لیے غلطی کا لفظ شایان شان نہیں سمجھا جاتا ہے، اور لفظ خطا میں قباحت نہیں سمجھی جاتی تھی، لیکن اب اس لفظ کے استعمال پر بھی شور وہنگامے ہونے لگے ہیں، پھر اب کسی دوسرے لفظ کی تلاش کرنی ہوگی۔

علما کی اصطلاح میں ارباب فضل وکمال کے لیے تسامح کا لفظ استعمال ہوتا ہے، لیکن عوام کے درمیان اس کا اطلاق مروج نہیں، نہ ہی عوام اس کا مفہوم سمجھ سکیں گے۔ علما کے یہاں ارباب فضل وکمال کے لیے بھی تادم تحریر سہو ونسیان کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ علما خطا کی تعبیر کے لیے تسامح کا لفظ استعمال کرتے ہیں، لیکن خطائے اجتہادی کے لیے خطائے اجتہادی کا لفظ ہی استعمال کرتے ہیں۔

تسامح کا لفظ علما اور تعلیم یافتگان تک محدود ہے۔ عوام الناس کے درمیان اس کا استعمال مروج نہیں۔ اب عوام کی تفہیم کے لیے لفظ خطا کی جگہ تسامح کا لفظ بولا جائے تو یہ لفظ عوام کی سمجھ سے بالاتر ہوگا۔

یہاں اگر متکلم نے ایک ضرورت کے سبب یعنی ایک رافضیہ کی بدگوئی کا جواب دینے کے لیے یہ لفظ استعمال کیا تو عام استعمال میں اس کا شمار نہیں ہونا چاہئے۔ یہاں روافض کے عقیدۂ عصمت کی تردید مقصود تھی، جیسا کہ اصل کتاب میں حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں بھی عقیدۂ روافض کی تردید ہے۔ متکلم نے اسی عبارت کی تشریح کی ہے۔

عوامی اجلاس میں اور عوام کو مسئلہ باغ فدک سمجھانے کے واسطے لفظ خطا کا اطلاق ہوا۔ یہاں اگر خواص کی اصطلاح یعنی لفظ تسامح کا استعمال ہوتو عام پبلک کو نفس مسئلہ سمجھنا مشکل ہوگا۔

خواص اپنی اصطلاح کے اعتبار سے لفظ خطا کے استعمال میں کچھ عیب سمجھتے ہیں تو انہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ لفظ خواص کی مجلس میں نہیں، بلکہ عوام کی مجلس میں بولا گیا اور عوام کی تفہیم کے لیے بولا گیا۔

اردو زبان میں آج تک لفظ تسامح عام طور پر مروج نہیں ہے۔ اردو زبان کے اعتبار سے عوامی مجالس میں لفظ تسامح کا استعمال فصاحت سے فروتر ہوگا۔ لغوی غرابت کے سبب لفظ تسامح کا استعمال فصاحت سے خارج ہو گا، اور غلطی کا لفظ اہل فضل کے لیے شایان شان نہیں۔ لفظ خطا اس جگہ استعمال ہوتا تھا، لیکن اب یہ بھی محل اعتراض میں آ گیا تو کسی نئے لفظ کو تلاش کرنا ہوگا۔

سوال سوم:

آپ نے کہا کہ قرینہ کبھی قطعی بالمعنی الاخص نہیں ہوتا ہے، کیوں کہ وہاں یہ احتمال بعید موجود ہوتا ہے کہ متکلم کی وہ مراد نہ ہو، جو قرینہ سے ظاہر و ثابت ہو رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اس بات پر کوئی دلیل ہی نہ ہو کہ متکلم کی کوئی دوسری مراد ہے تو بلا دلیل محض اپنے وہم فاسد سے یہ کہنا کہ ہوسکتا ہے کہ متکلم کی کوئی دوسری مراد ہو، یہ کیوں کر صحیح ہوگا، اور پھر اس کے سبب قرینہ کی قطعیت کیوں کر متاثر ہوگی؟

اس سے بالکل واضح ہوگیا کہ قرینہ قطعی بالمعنی الاخص بھی ہوسکتا ہے، کیوں کہ متکلم کی جداگانہ مراد ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور قرینہ قطعی بالمعنی الاخص ہوگا۔ اس احتمال فاسد کے سبب قطعی قرینہ کو قطعی بالمعنی الاعم قرار دینا اور قطعیت بالمعنی الاخص کی نفی کرنا کیوں کر درست ہوگا؟

جواب:

قرینہ قطعی ہونے کی صورت میں بھی یہ احتمال بعید موجود ہے کہ متکلم کی مراد وہ نہ ہو، جس پر قرینہ دلالت کر رہا ہے، گرچہ اس احتمال پر کوئی دلیل نہ ہو، اور جب احتمال پر کوئی دلیل نہ ہوتو وہ احتمال بعید (احتمال بلا دلیل) ہوتا ہے، اور احتمال بعید قطعیت بالمعنی الاخص کے لیے مانع ہوتا ہے۔

لفظ کا محتمل ہونا اور کسی معنی میں متعین نہ ہونا یہ احتمال پیدا کرتا ہے کہ یہاں متکلم کی مراد کوئی دوسرا معنی ہو، کیوں کہ لفظ اس معنی کا بھی احتمال رکھتا ہے جس پر قرینہ دلالت کر رہا ہے اور اس معنی کا بھی احتمال رکھتا ہے جس پر قرینہ دلالت نہیں کر رہا ہے، لیکن وہ لفظ کا معنی ہے۔ اگر اس دوسرے معنی کے مراد ہونے پر کوئی ظنی دلیل بھی ہو تو وہاں معنی دوم کا احتمال قریب ہوگا، نہ کہ احتمال بعید۔

معنی دیگر مراد ہونے پر کسی دلیل کا نہ ہونا قرینہ کو قطعی بنادیا اور معنی دیگر کا احتمال بلا دلیل ہونا قرینہ کی قطعیت بالمعنی الاخص کے لیے مانع ہوگیا، پس یہاں قرینہ قطعی بالمعنی الاعم ہو کر رہ گیا۔

واضح رہے کہ معنی دوم کا احتمال بعید اسی وقت ہوگا جب معنی اول مراد ہونے پر ظنی یا قطعی بالمعنی الاعم دلیل یا قرینہ ہو۔ اگر لفظ محتمل تھا اور اس کے معنی اول مراد ہونے پر قطعی بالمعنی الاخص دلیل ہے تو وہاں معنی دوم کا احتمال بعید بھی نہیں ہوگا۔

احتمال بعید کے اثرات ونتائج

ضروریات دین کے انکار میں احتمال بعید کے سبب کفر کلامی کا حکم عائد نہیں ہوتا۔اسی طرح ضروریات اہل سنت کے دلائل کے ثبوت میں احتمال بعید موجود ہے،اسی لیے وہ ضروریات دین نہ بن سکیں۔اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ شریعت اسلامیہ میں احتمال بعید یعنی احتمال بلا دلیل کا اعتبار ہے۔

کوئی لفظ محتمل ہے،اور وہ دو معنی کا احتمال رکھتا ہے اور ایک معنی کے مراد ہونے پر کوئی دلیل ہے تو اس معنی کا احتمال،احتمال قریب ہو گا۔دوسرے معنی کے مراد ہونے پر کوئی دلیل نہیں تو وہ اس معنی کا احتمال،احتمال بعید ہو گا۔

اب اگر کوئی تیسرے معنی کا احتمال ظاہر کرے اور لفظ اس معنی کا احتمال نہیں رکھتا ہے تو تیسرے معنی کا احتمال،احتمال باطل ہو گا۔احتمال قریب فقہا و متکلمین دونوں کے یہاں مقبول ہے۔احتمال بعید متکلمین کے یہاں مقبول ہے،فقہا کے یہاں مقبول نہیں۔احتمال باطل فقہا و متکلمین کسی فریق کے یہاں مقبول نہیں۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم::والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم::وآلہ العظیم

طارق انور مصباحی

ایڈیٹر:ماہنامہ پیغام شریعت(دہلی)

جاری کردہ:30:جولائی 2020

☆☆☆☆☆

(۵)

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ

ڈاکٹر جلالی اور اصحاب جلال وکمال

(قسط چہارم)

از:طارق انور مصباحی

ایڈیٹر:ماہنامہ پیغام شریعت(دہلی)

حضور اقدس تاجدار کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ حضرات پنجتن پاک میں سے چاروں برگزیدہ ہستیاں یعنی شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ،خاتون جنت حضرت سیدۂ کائنات،اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین گناہ سے محفوظ ہیں۔روافض ائمہ اہل بیت کو گناہ کے علاوہ بھی دیگر قسم کی خطاؤں سے معصوم مانتے ہیں۔حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز نے روافض کے اسی نظریہ کا رد فرمایا اور رقم فرمایا:

''آیت تطہیر کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ پاک گروہ معصوم ہیں اور ان سے کسی قسم کی بھی خطا کا سرزد ہونا ناممکن ہے''۔(التصفیہ بین السنی والشیعہ ص۴۶-پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور)

مذہب شیعہ اور ائمہ کرام کی عصمت

شیعہ مذہب میں حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح حضرات ائمہ اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ

عنہم اجمعین بھی معصوم ہیں۔اہل سنت وجماعت کے یہاں حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں اوران نفوس قدسیہ کے بعد مومنین میں سے بہت سے اصحاب تقویٰ گناہوں سے محفوظ ہیں۔حضرات صحابہ کرام وحضرات ائمہ اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جماعت محفوظین میں شامل ہیں اوربعض دیگر حضرات بھی ، جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے یہ رتبہ بلند عطافرمائے۔معصوم اورمحفوظ میں شرعی طور پر فرق ہے۔

شیعہ مذہب کے مطابق ائمہ کرام کی عصمت دوحصوں میں منقسم ہے:(۱)عصمت عملی (۲)عصمت علمی۔

عصمت عملی کی دوصورتیں ہیں:

(۱)معصوم نہ کسی واجب کوترک کرتا ہے،اورنہ کسی حرام کا مرتکب ہوتا ہے۔

(۲)معصوم کسی مستحب کام کوترک نہیں کرتا،اورکسی مکروہ کام کوانجام نہیں دیتا۔

عصمت علمی کی تین صورتیں ہیں:

(۱)معصوم دینی علوم ومعارف میں کسی خطا کا مرتکب نہیں ہوتا،کیوں کہ امام کی ذمہ داری لوگوں کی ہدایت ہے اوراگرخوددینی علوم ومعارف میں خطا کا مرتکب ہوتوہدایت کیسے کرے گا؟

(۲)لوگوں کے اجتماعی اورسیاسی مصالح اورمفاسد کی تشخیص میں معصوم ہے اورکسی غلطی کا شکارنہیں ہوتا۔

(۳)امام معصوم شرعی احکام کے موضوعات کی شناخت میں غلطی نہیں کرتا،مثلاً اس بات کی تشخیص میں کہ یہ مائع پانی ہے یا شراب،خطانہیں کرتا۔(درس امامت:استادربانی:مدرسہ فقاہت)

شیعہ مذہب کے مطابق امام کی ضرورت

امام نبی کا جانشین اوروصی ہوتا ہے،اورپیغمبر کے بعد دینی تعلیمات اورشرعی احکام میں وہ مرجع کی حیثیت رکھتا ہے،اس لیے ضروری ہے کہ امام معصوم ہو،اور ہرقسم کی غلطی اور گناہ سے محفوظ ہو،تاکہ لوگ ان کی باتوں پر اعتماد کرے،ورنہ لوگوں کا اعتماد اس سے اٹھ جائے گا۔اس صورت میں امام کے تعین کا مقصد فوت ہوجائے گا۔

مذہب شیعہ کا ردوابطال

شیعہ مذہب میں حضرات اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کوبھی معصوم تسلیم کیا جاتا ہے۔اصحاب عظمت کی تعظیم وتوقیر معیوب نہیں ،لیکن شریعت اسلامیہ نے کسی بھی امر کی جوحد مقررفرمائی ہے،اس سے تجاوز کرنا یقیناً غلط ہے۔خوارج ارباب فضل وکمال کی بے ادبی میں حدمقرر سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور روافض محبت میں غلو کے سبب شرعی حدود پھلانگ جاتے ہیں۔مذہب اہل سنت وجماعت افراط وتفریط سے پاک ہے۔

مذہب اہل سنت وجماعت میں حضرات انبیائے کرام اورملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کوئی بھی معصوم نہیں۔ہاں ،مومنین اہل تقویٰ میں سے جن پراللہ تعالیٰ فضل فرمائے ،وہ گناہوں سے محفوظ کردیئے جاتے ہیں۔حضرات صحابہ کرام واہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین محفوظین میں سے ہیں۔معصومین میں سے نہیں۔کبھی معصوم کا لفظ،محفوظ کے معنی میں اورعصمت کا لفظ،حفاظت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

علامہ بحرالعلوم فرنگی محلی نے رقم فرمایا:((لا ینعقد)الاجماع(باهل البيت وحدهم)لانهم بعض الامة-والعصمة مختصة باجماع كل الامة(خلافًا للشيعة لادعائهم العصمة)فيهم وحدهم -ولذا لا يعتبرون اجماع غيرهم(ومحله الكلام)ولا بأس بنا ان نذكر نبذًا منه لظهور هذه

الفرقة لئلا يقع احد فی تلبیس وضلالة.

فاعلم ان العصمة قد تطلق علی الاجتناب عن الکبائر والاخلاق الباطلة الذمیمة-و لا شک فی عصمتهم بهذا المعنی-ولایرتاب فیها الا السفیه خالع ربقة الاسلام عن عنقه.

وقد تطلق علی اجتناب الصغائر مع ذلک الاجتناب-ونرجوا ان یکونوا معصومین بهذه العصمة.

وایضًا قد تطلق علٰی عدم صدور ذنب لا عمدًا ولا سهوًا،ولا خطأً-ومع ذلک عدم الوقوع فی خطأ اجتهادی فی حکم شرعی-وهذا هو محل الخلاف بیننا وبینهم.

فهم قالوا:اهل البیت معصومون عن ذلک کله من انواع الذنوب وانواع الخطأ-ویدعون ان فتواهم کقول الانبیاء فی وجوب الاتباع-وکونه من اللّٰہ تعالی-ونسبتهم الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وآله واصحابه وسلم کنسبة الانبیاء العاملین بالتوراة الٰی موسی علیه السلام-ولعلهم لا یجوزون انتساخ احکام هذه الشریعة بقولهم.

وعندنا العصمة بهذا الوجه مختصة بالانبیاء فیما یخبرون بالوحی-وما یستقرون علیه-واهل البیت کسائر المجتهدین-یجوز علیهم الخطأ فی اجتهادهم وهم یصیبون ویخطئون وکذا یجوز علیهم الزلة-وهی وقوعهم فی امر غیر مناسب لمرتبتهم من غیر تعمد-کما وقع من سیدة النساء رضی اللّٰہ تعالٰی عنها من هجرانها خلیفة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وآله واصحابه وسلم حین منعها فدک من جهة المیراث-ولا ذنب فیه)

(فواتح الرحموت جلد دوم ص279-دار الکتب العلمیہ بیروت)

دلائل عدم عصمت

علامہ بحر العلوم فرنگی محلی نے عدم عصمت کے دلائل رقم فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:

(لنا ما تواتر عن الصحابة والتابعین من انهم کانوا مجتهدین ویفتون خلاف ما افتی به اهل البیت-ولم ینکر ولم یعب احد علٰی احد-بل لم یخطئ احد من مخالفة اهل البیت فی الحکم-ولم یقل احد بفساد اجتهاد من قال بخلافه.

وهذا یفید علما ضروریا بأن کل واحد من الأئمة،بل المقلدین ایاهم ایضًا من الصحابة ومن بعدهم کانوا عالمین بعدم العصمة عن الخطأ الاجتهادی.

ویفید ایضًا علمًا ضروریًا بأن اهل البیت ایضًا کانوا عالمین بعدم عصمة انفسهم من هذا الخطأ الاجتهادی.

اَلم تر کیف رد ابن مسعود قول امیر المؤمنین علی فی عدة الحامل المتوفی عنها زوجها-وقال:نزل سورة النساء القصری (واولات الاحمال)(الطلاق:۴)بعد قوله تعالی: (والذین یتوفون منکم)(البقرة:۲۳۴)الٰی آخر الاٰیة.

وکیف رد عبیدة قوله فی بیع امهات الاولاد-وکیف رد شریح قوله بقبول شهادة الابن الٰی غیر ذلک من الوقائع التی لا تحصی-ولم ینکر امیر المؤمنین علی علیهم.

فقد بان لک ان الاجماع القطعی الداخل فیه اهل البیت حاکم بان لا عصمة فی اهل البیت بمعنی عدم جواز الخطأ الاجتهادی منهم-فاحفظه.

ولنا ایضًا قوله تعالٰی:(فان تنازعتم فی شیٔ فردوه الی اللّٰه والی الرسول)(النساء:59)

واهل البیت ایضًا داخلون فی الخطاب-ففرض علیهم حین التنازع ازاحته بالرد علی الکتاب والسنة-ولم یعب علٰی منازع اهل البیت فی الاحکام بشیء-وایضًا لم یقل:(واهل بیته)فافهم)(فواتح الرحموت جلد دوم ص۲۷۹-دار الکتب العلمیہ بیروت)

توضیح:(1)حضرات صحابہ کرام وتابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں جو مجتہدین تھے،وہ حضرات اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے فتویٰ کے خلاف فتویٰ دیتے تھے،اور کوئی انکار نہیں کرتا اور نہ کوئی کسی کو عیب لگاتا کہ آپ نے اہل بیت کے فتویٰ کے خلاف فتویٰ کیسے دے دیا۔نہ ہی اہل بیت کے فتویٰ کے خلاف فتویٰ کو غلط بتایا جاتا،نہ ہی ان کے فتویٰ کے خلاف اجتہاد کو فاسد بتایا جاتا۔

اس سے بالکل بدیہی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ امت مسلمہ اور ائمہ کرام کا یہی اعتقاد تھا کہ حضرات اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین شرعی مسائل میں اجتہادی خطا سے معصوم نہیں ہیں۔اگر وہ اجتہادی خطا سے معصوم ہوتے تو یقیناً ان کے فتویٰ کے خلاف فتویٰ غلط اور باطل ہوتا۔

حضرات اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی اپنے فتویٰ کے خلاف فتویٰ کی تغلیط نہیں کرتے تھے ،اس سے بدیہی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی خود کو اجتہادی خطا سے معصوم نہیں قرار دیتے تھے۔حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ راشد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض فتویٰ کے خلاف فتویٰ دیا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں،پس اس اجماع قطعی میں حضرات اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی شامل ہیں کہ حضرات اہل بیت کرام رضی المولیٰ عنہم اجتہادی خطا سے معصوم نہیں ہیں۔

(2)آیت طیبہ میں حکم دیا گیا کہ مومنین اختلاف کے وقت اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)کی طرف رجوع کریں۔اس حکم میں حضرات اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی داخل ہیں۔اگر شرعی مسائل کے اجتہاد وتحقیق میں خطا سے محفوظ ہوتے تو انہیں رجوع کا حکم نہیں ہوتا۔جب رجوع الی اللہ والرسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)حکم میں حضرات اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی شامل ہیں تو اس کا واضح مفہوم یہی ہے کہ ان نفوس عالیہ سے بھی اجتہاد وتحقیق میں خطا ممکن ہے۔

(3)آیت طیبہ میں یہ نہیں بتایا گیا کہ جب اختلاف ہو تو اللہ ورسول اور اہل بیت کی طرف رجوع کرو، بلکہ صرف اللہ ورسول(عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا۔

اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرات اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے شرعی مسائل میں اجتہادی وتحقیقی خطا کا احتمال ہے تو انہیں بھی اللہ ورسول(عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)کی طرف رجوع کا حکم ہے۔

علامہ بحر العلوم فرنگی محلی نے رقم فرمایا:(ومن ههنا ظهر لک برهان آخر علی بطلان القول بالعصمة-لان التعارض فی کلامهم ثابت-وقول بعضهم یخالف قول الأخر فی العملیات -ولیس کل منهما صوابًا للتناقض فاحدهما خطأ فلا عصمة)

(فواتح الرحموت جلد دوم ص 281-دار الکتب العلمیہ بیروت)

توضیح: حضرات اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی عصمت سے متعلق شیعہ مذہب کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرات اہل بیت کرام کے کلام میں بھی تعارض ثابت ہے اور باب فقہیات میں ان میں سے بعض کا کلام بعض کے کلام کے خلاف ہے،اور تناقض کے سبب دونوں قول صحیح نہیں ہوسکتے تو ان میں سے ایک صحیح ہے اور ایک غیر صحیح ہے۔علامہ بحر العلوم قدس سرہ العزیز نے یہاں قول غیر صحیح کو خطا سے تعبیر کیا،اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قول جو عند اللہ حق نہ ہو،اس کو خطا سے تعبیر کرنا جائز ہے۔ہاں،کوئی اس سے بہتر تعبیر پیش کرے کہ مفہوم نہ بدلے تو وہ بھی قابل قبول ہے،جیسے اسی مفہوم میں تسامح وغیرہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

عمل بالقرآن یا اجتہاد

خاتون جنت حضرت سیدہ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب سے نہ یہ صراحت موجود ہے کہ طلب باغ فدک آیت قرآنیہ کے اعتبار سے تھا،نہ ہی یہ صراحت ہے کہ حدیث نبوی میں تاویل واجتہاد کے سبب یہ مطالبہ تھا۔ایسی صورت میں وہاں عمل بالقرآن اور اجتہاد دونوں کا احتمال ہے۔

جب دونوں صورتوں کا احتمال موجود ہے تو دونوں صورتیں مراد ہوسکتی ہیں۔ایسی صورت میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہاں اجتہاد کی کوئی صورت نہیں،بالکل غلط دعویٰ ہے۔محدثین کرام نے ان دونوں احتمالات کو بیان فرمایا ہے۔آیت قرآنیہ،صحیح بخاری شریف کی حدیث اور اس کی تشریحات منقولہ ذیل ہیں۔

آیت میراث اور تفاسیر

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:(یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ فَاِنْ کُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَھُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ وَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَۃً فَلَھَا النِّصْفُ-الآیۃ)

(سورہ نساء:آیت 11)

توضیح: مذکورہ بالا آیت مقدسہ میں ارشاد ہوا کہ اگر ایک ہی بیٹی ہو تو اس کو ترکہ سے نصف حصہ ملے گا۔یہ حکم امت کے لیے تھا۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے یہ حکم نہیں تھا۔حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متروکہ مال بطور وراثت تقسیم نہیں ہوتے،بلکہ وہ امت کے لیے صدقہ ہوتے ہیں۔

آیت مقدسہ میں چوں کہ لفظ عام ہی وارد ہوا ہے تو ہر قاری اس سے عموم ہی سمجھے گا،لیکن حدیث نبوی کے ذریعہ اس عموم کی تخصیص ہو چکی تھی۔اب جس کو اس تخصیص کا علم نہ ہو،وہ عموم ہی مراد لے گا اور یہ اس کے حق میں کوئی عیب یا گناہ نہیں ہے۔ہاں،عموم مراد لینا نفس الامر کے مطابق نہیں ہوگا،اور جو امر نفس الامر کے مطابق نہ ہو،وہ نتیجہ کے اعتبار سے صحیح نہیں ہوگا،گرچہ اصول کے اعتبار سے صحیح ہے کہ عام لفظ سے عموم ہی مراد لیا جائے گا۔

حدیث نبوی کی عدم معرفت اور آیت مقدسہ میں تخصیص کی خبر نہ ہونے کے سبب خاتون حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آیت طیبہ میں تعمیم مراد لیا اور باغ فدک کا مطالبہ فرمایا تھا۔یہ کوئی عیب یا گناہ نہیں۔

ہاں،جب کسی آیت قرآنیہ کی تاویل وتشریح اصول کے اعتبار سے صحیح ہو،اور نفس الامر کے مطابق نہ ہو تو وہ نتیجہ اور انجام کے اعتبار سے صحیح نہیں۔جب وہ مآل کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے تو خطا ہے۔اس خطا کی عمدہ تعبیر کی جاسکتی ہے،مثلاً حق کی دریافت نہ ہوسکی۔حق تک رسائی نہ ہوسکی۔حق متخلف ہوگیا،وغیرہ۔

اگر اسی کو کوئی خطائے اجتہادی کہے اور اس کا مقصود یہ ہو کہ مطلق خطا کی بجائے ''خطائے اجتہادی'' سے تعبیر کرنا ادب کے زیادہ مناسب ہے تو ایسا آدمی اپنے حسن نیت کے سبب مستحق اجر ہوگا یا گمراہ ہوگا؟

خطائے اجتہادی میں بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ اصول وقانون کے اعتبار سے وہ اجتہاد صحیح ہوتا ہے، اور نفس الامر کے اعتبار سے غیر صحیح ہوتا ہے، یعنی حق سے متخلف ہوجاتا ہے۔

مسئلہ حاضرہ میں حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آیت قرآنیہ سے اپنے لیے جو استحقاق وراثت ثابت فرمایا تھا، وہ نفس الامر کے مطابق نہیں تھا۔اس کی تعبیر کوئی خطائے اجتہادی سے کرے تو شرعی طور پر کوئی حکم عائد نہیں ہوتا۔گرچہ یہاں اجتہاد نہیں تو اصطلاحی طور پر یہاں ''خطائے اجتہادی'' کا اطلاق نہیں ہوگا۔

اس تخلف عن الحق کو مجازی طور پر خطائے اجتہادی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ خطائے اجتہادی میں بھی اجتہادی قوانین کی رعایت کی جاتی ہے اور حق متخلف ہوجاتا ہے اور یہاں بھی آیت قرآنیہ کے عموم سے صحیح طور پر استدلال کیا گیا، لیکن حق متخلف رہ گیا۔حدیث نبوی سے اس عموم کی تخصیص ہو چکی تھی۔

کبھی کوئی لفظ اصطلاحی طور پر غلط ہوتا ہے، لیکن شرعی طور پر حکم عائد نہیں ہوتا، کیوں کہ وہاں شریعت کی مخالفت نہیں ہوتی ہے، گرچہ اصطلاح کی مخالفت ہو رہی ہو۔اسی طرح اگر عدم اجتہاد کی صورت میں بھی کوئی اس کو خطائے اجتہادی کہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصطلاحی طور پر غلط لفظ کا استعمال ہوا، لیکن نفس الامر کے اعتبار سے وہاں حق سے تخلف موجود ہے تو فریق دوم بتائے کہ اس تخلف کو کس لفظ سے تعبیر کیا جائے؟

درحقیقت ایسے امور کو بھی لفظ خطا سے تعبیر کیا جاتا ہے، مثلاً کسی محقق نے تحقیق کی اور وہ تحقیق حق کو نہ پا سکی تو اس کو خطا کہا جاتا ہے۔گرچہ نہ یہاں اجتہاد ہے، نہ خطائے اجتہادی۔اب اگر کوئی اس کو خطائے اجتہادی کہہ دے تو وہ گمراہ کیسے گا؟

متکلمین کے یہاں گمراہ وہی ہوگا جو ضروریات اہل سنت میں سے کسی امر کا منکر ہو، یا کسی ضروری دینی کا لزومی انکار کرتا ہو، یا شعار ضلالت میں سے کسی امر کا مرتکب ہو۔شعار کفر کا مرتکب کافر ہوگا اور شعار ضلالت کا مرتکب ضال وگمراہ ہوگا۔سب صحابہ کرام شعار رافضیت ہے، اسی لیے سب صحابہ کا مرتکب گمراہ مانا جاتا ہے۔

حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا استدلال صریح آیت قرآنیہ سے تھا۔یہ استدلال اصول وقانون کے اعتبار سے صحیح تھا، لیکن وہ حق سے متخلف تھا۔اس تخلف عن الحق کو خطا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اس تخلف عن الحق اور عدم اصابت حق پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ بندہ نے حکم شرعی کی دریافت میں محنت ومشقت کی، اس کا ثواب ہوگا۔

ایک جاہل نے کہا: ''میرا بیٹا گھر میں بیٹھی ہے''۔اردو زبان کے اصول وقوانین کے اعتبار سے یہ جملہ غلط ہے کہ مذکر کے واسطے مؤنث کا صیغہ استعمال کر دیا اور قانونی طور پر یہاں اس کی گنجائش نہیں تو گرچہ یہ جملہ زبان وادب کے اعتبار سے غلط ہے، لیکن قائل پر کوئی شرعی حکم وارد نہیں ہوگا، نیز وہ جاہل ہے تو اہل عرف بھی چشم پوشی کریں گے، بلکہ جاہل اور دیہاتی لوگ بات چیت میں اس طرح کی غلطیاں کرتے ہی رہتے ہیں۔

اب تو لکھنو میں بھی وہ ادبی رونق قائم نہیں، دلی دربار بھی ڈیڑھ صدی قبل اجڑ چکا۔حیدرآباد کے نظام سے بھی امور سلطنت کی نظامت چھین لی گئی۔اب اردو زبان وادب کی نگہبانی اور ادبا وشعرا کی سرپرستی کون کرے۔

عموم آیت میں تخصیص

امام قرطبی نے رقم فرمایا:(ولم یدخل فی عموم الآیة میراث النبی صلی اللہ علیه وسلم

لقوله:(لا نورث ماترکناه صدقة)(تفسیر قرطبی جلد5 ص59-مکتبہ شاملہ)

توضیح:عموم آیت میں میراث نبوی شامل نہیں،کیوں کہ حدیث نبوی میں ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے مال متروکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔وہ مال متروک صدقہ ہوتا ہے۔

مفسر محمد طاہر بن محمد تونسی(م1393)نے لکھا:(وصیغة(اولادکم)صیغة عموم-لان اولاد جمع معرف بالاضافة-والجمع المعرف بالاضافة من صیغ العموم-وهذا العموم خصصه اربعة اشیاء-الاول:خص منه عند اهل السنة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم لما رواه عنه ابو بکر انه قال:(لا نورث ما ترکناه صدقة)ووافقه علیه عمربن الخطاب وجمیع الصحابة و امهات المؤمنین-وصح ان علیا رضی اللّٰہ عنه وافق علیه فی مجلس عمربن الخطاب ومن حضر من الصحابة کما فی الصحیحین)(التحریروالتنویر من التفسیر:سورہ نساء:جلد4 ص47-مکتبہ شاملہ)

توضیح:آیت میراث میں''اولادکم''عموم کا صیغہ ہے۔لفظ اولاد جمع ہے اور اضافت کی وجہ سے معرفہ ہوگیا اوراضافت کے سبب معرفہ بننے والی جمع عام ہوتی ہے۔اس عموم سے چار کی تخصیص ہوگئی ہے،یعنی چار کو حکم سے الگ کردیا گیا ہے۔ان چار میں سے ایک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔کسی نبی کے مال متروک میں وراثت جاری نہیں ہوتی ہے،پس یہاں اولاد سے اولاد نبی مراد نہیں ہوگی۔

عموم آیت سے استدلال

امام فخر الدین رازی نے رقم فرمایا:(الموضع الرابع من تخصیصات هذه الأیة ما هو مذهب اکثر المجتهدین ان الانبیاء علیهم السلام لا یورثون-والشیعة خالفوا فیه-روی ان فاطمة علیها السلام لما طلبت المیراث ومنعوها منه،احتجوا بقوله علیه الصلاة والسلام(نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناه صدقة)فعند هذا احتجت فاطمة علیها السلام بعموم قوله:(للذکر مثل حظ الانثیین)وکأنها اشارت الی ان عموم القرآن لا یجوز تخصیصه بخبر الواحد)(التفسیر الکبیر جلد9 ص170-مکتبہ شاملہ)

توضیح:حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آیت کریمہ کے عموم سے استدلال فرمایا۔اس تفسیر میں بیان کیا گیا کہ حدیث نبوی پیش کرنے کے باوجود حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عموم آیت سے استدلال فرماتی رہیں،اوراس جانب اشارہ فرمائیں کہ خبر واحد سے آیت قرآنیہ میں تخصیص ہوگی۔

یہ دینیات کا انتہائی تعجب خیز مرحلہ ہے۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث نبوی خود سے سماعت فرمائی تھی تو عدم تقسیم میراث نبوی کا مسئلہ ان کے حق میں ضروریات دین میں سے تھا۔وہ ہرگز تقسیم نہیں کر سکتے تھے۔حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے وہ خبر واحد تھی تو ابھی وہ اس کے ذریعہ عموم میں تخصیص کو تسلیم نہیں کرسکتی تھیں،گرچہ مطالبہ ترک فرمادیں۔بعض فقہا خبر واحد کے ذریعہ تخصیص کے بھی قائل ہیں۔

ہاں،یہ حدیث متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے تو یہ حدیث مشہور ہے،اور حدیث مشہور سے تخصیص جائز ہے۔بعد میں عدم تقسیم میراث نبوی پر صحابہ کرام وجملہ اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اجماع ہوگیا۔

عدم تقسیم میراث نبوی کی حدیث حضرات خلفائے اربعہ،حضرت عباس،حضرت عبد الرحمٰن بن عوف ،حضرت زبیر بن عوام،حضرت سعد بن وقاص،حضرت ابو ہریرہ،حضرت عائشہ صدیقہ ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ

تعالیٰ عنہم اجمعین سے مروی ہے۔یہ مشہور حدیث ہے،اور متواتر کی شرطیں بھی پائی جاتی ہیں۔

قاضی ثناء اللہ مظہری پانی پتی (م1225ھ) نے رقم فرمایا:(ان الحدیث وان کان بالنسبة الینا من الأحاد لکنه فی حق الصدیق الذی سمع بأذنه من فی رسول الله صلی الله علیه وسلم کان فوق المتواتر-لان المحسوسات فوق المتواترات.

علی ان ما قالوا ان الحدیث تفرد بروایته ابوبکر،باطل-بل رواه جماعة من الصحابة -منهم حذیفة بن الیمان وابو الدرداء وعائشة وابوهریرة -وروی البخاری ان عمر رضی الله عنه قال بمحضر من الصحابة،منهم علی وعباس وعبد الرحمن بن عوف وزبیر بن العوام وسعد بن ابی وقاص:

انشدکم بالله الذی باذنه تقوم السماء والارض-أ تعلمون ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال:(لا نورث ما ترکناه صدقة))یرید بذلک نفسه-قالوا: اللهم نعم-ثم اقبل علی علی وعباس فقال:انشدکما بالله هل تعلمان ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ذلک؟قالا: اللهم نعم-الحدیث

وقد صح روایات هؤلاء الصحابة فی کتب الحدیث فی مسانیدهم فالحدیث المذکورة بالنسبة الینا ایضا یبلغ درجة الشهرة-وتلقته الامة بالقبول واجمعوا علیه)

(تفسیر مظہری جلد دوم ص253-داراحیاء التراث العربی بیروت)

عموم واطلاق سے استدلال اجتہاد نہیں

اجتناب العمال عن فتاوی الجہال (مشمولہ فتاویٰ رضویہ) میں حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں ابن اعلیٰ حضرت قدس سرہما نے رقم فرمایا:''اطلاق وعموم سے استدلال نہ کوئی قیاس ہے، نہ مجتہد کے ساتھ خاص''۔

(فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص493-رضا اکیڈمی ممبئی)

ہاں،جس عموم میں تخصیص ہو،اس تخصیص کی معرفت کے بغیر بھی اس لفظ عام کو عموم پر محمول کرنا نفس الامر کے خلاف ہی ہوگا،گرچہ تخصیص کا علم نہ ہو۔ہاں وہ عند الشرع معذور ہوگا۔

اگر تخصیص کا علم ہوتے ہوئے ازراہ تعنت وہٹ دھرمی عام کو عموم پر محمول کرتا ہے تو حکم شرع اس پر وارد ہو گا،اور اگر مخصص کی تاویل کرتا ہے تو اس تاویل پر غور کیا جائے گا۔

صدر الشریعہ بخاری نے رقم فرمایا:(والمخطی فی الاجتهاد لایعاقب-الا ان یکون طریق الصواب بینا)(التوضیح علی التنقیح جلد دوم ص112-مکتبہ شاملہ)

آیت قرآنیہ((یوصیکم الله فی اولادکم))میں ضمیر''کم''سے صرف امتی مراد ہیں۔اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شامل نہیں۔ہاں،تخصیص کی عدم معرفت کے سبب اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شامل سمجھنا ازروئے شرع کوئی گناہ یا عیب نہیں۔

بعض اہل علم نے عموم آیت سے استدلال کو قیاس واجتہاد لکھا ہے۔دراصل عموم آیت سے استدلال کرنا الگ ہے اور کسی لفظ کو عام قرار دینا الگ ہے۔

کوئی مجتہد اور محقق اپنے اجتہاد وتحقیق کی روشنی میں ہی کسی لفظ کو عام یا خاص قرار دے گا۔جب اس کا عام

یا مطلق ہونا ظاہر ہو جائے تو اس کے عموم واطلاق سے استدلال غیر مجتہد بھی کرسکتا ہے۔

ابن کثیر دمشقی نے لکھا:(قد روینا ان فاطمة رضی اللّٰہ عنہا احتجت اولًا بالقیاس وبالعموم فی الاٰیة الکریمة-فاجابہا الصدیق بالنص علی الخصوص بالمنع فی حق النبی-وانہا سلمت لہ ما قال-وھذا ھو المظنون بہا رضی اللّٰہ عنہا)

(البدایہ والنہایہ ج5ص289-دارالفکر بیروت)

متضاد اقوال میں ایک حق اور باقی خلاف حق

امام قسطلانی نے اجتہاد سے متعلق حدیث کی تشریح میں رقم فرمایا:(وفی الحدیث دلیل علی ان الحق عند اللّٰہ واحد-وکل واقعة للّٰہ تعالی فیہا حکم-فمن وجدہ اصاب،ومن فقدہ اخطأ)(ارشادالساری شرح البخاری ج10ص343-المطبعة الکبری الامیریہ مصر)

واضح رہے کہ عند اللہ دو متضاد نظریہ حق نہیں ہوسکتا،گرچہ اصول تحقیق اور قواعد اجتہاد کے اعتبار سے دونوں اجتہاد صحیح ہوں۔ہر حادثہ کا ایک خاص حکم اللہ تعالیٰ کے یہاں ہے۔جو اسے پالیا تو حق کو پالیا۔جو حق کو نہ پاسکا، اس کی تعبیر خطائے اجتہادی سے ہوتی ہے۔

خلاف حق کی تعبیر لفظ خطا سے

نفس الامر کے خلاف ہونے کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ’’خطا‘‘ سے تعبیر فرمایا۔

امام قرطبی نے رقم فرمایا:(قولہ تعالیٰ:(وآتیتم احدھن قنطارا)الاٰیة-دلیل علی جواز المغالاة فی المہور-لان اللّٰہ تعالی لا یمثل الا بمباح-وخطب عمر رضی اللّٰہ عنہ فقال:الا لا تغالوا فی صدقات النساء فانہا لو کانت مکرمة فی الدنیا او تقوی عند اللّٰہ لکان اولاکم بہا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم-ما اصدق قط امرأة من نسائہ ولا بناتہ فوق اثنتی عشرة اوقیة-فقامت امرأة فقالت:یا عمر! یعطینا اللّٰہ وتحرمنا-أ لیس اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ یقول:(وآتیتم احداھن قنطارا فلا تأخذوا منہ شیئا)فقال عمر:اصابت امرأة واخطأ عمر-وفی روایة:فاطرق عمر ثم قال:کل الناس افقہ منک یا عمر! وفی اخریٰ:امرأة اصابت ورجل اخطأ-وترک الانکار)(جلد5ص99-مکتبہ شاملہ)

توضیح:چوں کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین حفاظ قرآن تھے تو یہاں مہر کو مہنگا رکھنے سے منع فرمانا آیت مقدسہ کی عدم معرفت کے سبب نہیں ہوا، بلکہ عدم التفات کے سبب ایسا ہوگیا۔

اس کو خود حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطا قرار دیا،گرچہ مہر نبوی پر ان کا قیاس واجتہاد اصول استنباط اور قواعد اجتہاد کے موافق تھا،لیکن وہ نفس الامر کے خلاف تھا،پھر جب حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت طیبہ سماعت فرمائی تو اپنے اجتہاد کے نفس الامر کے خلاف ہونے کا علم ویقین حاصل ہوگیا، اس لیے اپنے اجتہاد سے رجوع فرمایا اور اپنے اجتہاد کو خطا سے تعبیر فرمایا۔

تخصیص کا علم نہ ہو تو عموم پر عمل جائز

لفظ عام کے عموم پر عمل کرنا جائز ہے،جب کہ مخصص کا علم نہ ہو۔مخصص کی تلاش وتفتیش واجب نہیں۔

بحرالعلوم قدس سرہ العزیز نے (یجوز العمل بالعام قبل البحث عن المخصص) کی بحث میں رقم فرمایا:

(کذا سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تمسکت بما ظنتہ عاما فی المیراث مع عدم البحث والسوال عن المخصص-ثم ظہر المخصص ظہور الشمس علی نصف النہار -وبالجملۃ لم ینقل عن واحد من الصحابۃ قط التوقف فی العام الی البحث عن المخصص-ولا انکار واحد منہم فی المناظرات علی من تمسک بالعام قبل البحث عن المخصص-وکذا فی القرن الثانی والثالث-والحنفیۃ یوجبون العمل بہ قبل البحث-واستقر ہذا المذہب الی الآن) (فواتح الرحموت: جلداول ص254-دارالکتب العلمیہ بیروت)

حدیث صحیح البخاری

(عن ابن شہاب قال اخبرنی عروۃ بن الزبیر ان عائشۃ ام المؤمنین رضی اللّٰہ عنہا اخبرتْہ ان فاطمۃ علیہا السلام ابنۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سألت ابابکر الصدیق بعد وفاۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یَقْسِمَ لہا میراثَہا مما ترک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مما اَفَاءَ اللّٰہ علیہ-فقال لہا ابوبکر: ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لا نُوْرَثُ ما ترکنا صدقۃٌ-فَغَضِبَتْ فاطمۃ بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فَہَجَرَتْ ابا بکر فلم تزل مہاجرتُہ حتی تُوُفِّیَتْ-وعاشت بعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ستۃ اشہر-قالت: وکانت فاطمۃ تسأل ابا بکر نصیبہا مما ترک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من خیبر وفدک وصدقتہ بالمدینۃ فابی ابو بکر علیہا ذلک-وقال: لستُ تارکاً شیئًا کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعمل بہ،الا عملتُ بہ-فانی اَخْشٰی ان ترکت شیئًا من امرہ ان اَزِیْغَ-الحدیث) (صحیح البخاری: باب فرض الخمس)

اجتہاد کی صورتیں

(1) قیاس کے ذریعہ کسی غیر منصوص مسئلہ کا استخراج واستنباط۔(2) مجمل،مشترک وغیرہ محتمل الفاظ میں تاویل کے ذریعہ کسی ایک مفہوم کا تعین۔یہ دونوں امر اجتہاد کی دوصورتیں ہیں۔

(ماخوذ از: نورالانوار جلددوم ص300-دارالکتب العلمیہ بیروت)

اصول فقہ کی کتابوں میں لفظ''قروءٌ'' کی تاویل میں احناف وشوافع کا اختلاف مشہور ہے۔یہاں کسی غیر منصوص مسئلے کا استخراج نہیں، بلکہ محتمل لفظ کے کسی مفہوم کے تعین میں اختلاف ہے۔

شرح حدیث

محدث ابن بطال نے رقم فرمایا:(ووجہ ہجران فاطمۃ لابی بکر انہا لم یکن عندہا قولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: (لا نورث ما ترکنا صدقۃ)،ولا علمتہ-ثم انفت ان تکون لا ترث اباہا کما یرث الناس فی الاسلام والجاہلیۃ-مع احتمال الحدیث عندہا انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اراد بعض المال دون بعض-وانہ لم یرد بہ الاصول والعقار-فانقادت وسلمت للحدیث-وانما کان ہجرہا لہ اقباضا عن لقائہ وترک مواصلتہ-ولیس ہذا من الہجران

المحرم–وانما المحرم من ذلک ان یلتقیا فلا یسلم احدھما علیٰ صاحبه–ولم یرو احد انھما التقیا وامتنعا من التسلیم–ولو فعلا ذلک لم یکونا بذلک متھاجرین الا ان تکون النفوس مظھرة للعداوة والھجران–لکنھا وجدت علیه ان حرمھا ما لم یحرم احد–ولسنا نظن بھم اضمار الشحناء والعداوة–وانما ھم کما وصفھم اللّٰہ:(رحماء بینھم)

(شرح البخاری لابن بطال ج5:ص251-مکتبہ شاملہ)

توضیح: محدث ابن بطال نے باغ فدک کے مطالبہ کی دوصورتیں بیان کیں۔ایک یہ کہ خاتون جنت حضرت سیدہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حدیث نہیں پہنچی تھی۔آپ نے عموم آیت سے استدلال فرمایا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ حدیث پہنچی ہو،اور آپ نے حدیث نبوی میں تاویل کی ہو،اور بعض مال مراد لیا ہو کہ اس بعض مال کی تقسیم نہیں ہوگی۔نص محتمل میں تاویل کے ذریعہ کسی مفہوم کو متعین کرنا اجتہاد ہے۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اجتہاد کے سبب باغ فدک کا مطالبہ فرمایا تھا، پھر بعد میں آپ نے حدیث نبوی کی اسی تشریح کو قبول فرمالیا جو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمائی۔

محدث بدرالدین عینی حنفی نے تحریر فرمایا:(قوله:سألت ابا بکر الصدیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما–قال عیاض:تأول قوم طلب میراثھا من ابیھا علی انھا تأولت الحدیث ان کان بلغھا قوله:"انا لا نورث" علی الاموال التی لھا بال–فھو الذی لا یورث،لا ما یترکون من طعام واثاث وسلاح–قال:وھذا التاویل یردہ قوله:مما افاء اللّٰہ علیه–وقوله:مما ترک من خیبر وفدک وصدقته بالمدینة–وقیل:ان طلبھا لذلک کان قبل ان تسمع الحدیث الذی دل علی خصوصیة سیدنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم–وکانت متمسکة بآیة الوصیة–(وان کانت واحدة فلھا النصف)(النساء:11)

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد22ص208-مکتبہ شاملہ)

توضیح: علامہ قاضی عیاض مالکی نے فرمایا کہ علما کی ایک جماعت کا قول ہے کہ اگر حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حدیث نبوی کی معرفت تھی اور آپ نے اجتہاد وتاویل کے سبب باغ فدک کا مطالبہ فرمایا تھا۔

محدث ابن حجر عسقلانی شافعی نے تحریر فرمایا:(واما سبب غضبھا مع احتجاج ابی بکر بالحدیث المذکور فلاعتقادھا تأویل الحدیث علیٰ خلاف ما تمسک به ابوبکر–وکأنھا اعتقدت تخصیص العموم فی قوله:"لا نُوْرَثُ"–ورأت ان منافع ما خَلَّفَهُ من ارض وعَقَار لا یمتنع ان تُوْرَثَ عنه–وتمسک ابوبکر بالعموم واختلفا فی امر محتمل للتاویل–فلما صَمَّمَ علیٰ ذلک انقطعت عن الاجتماع به لذلک)

(فتح الباری شرح البخاری جلد9ص345-مکتبہ شاملہ)

توضیح:اس عبارت میں بھی یہی ذکر ہے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حدیث موصول ہوئی تھی اور آپ نے اپنی تاویل کے سبب یہ مطالبہ فرمایا تھا۔نص محتمل میں تاویل کے ذریعہ کسی ایک مفہوم کا تعین اور استنباط مسائل دونوں کا شمار اجتہاد میں ہوتا ہے۔

امام نووی شافعی نے تحریر فرمایا:(قال القاضی عیاض:وقد تأول قوم:طلب فاطمة رضی اللّٰہ

عنها ميراثها من ابيها علٰى انها تأولت الحديث ان كان بَلَغَهَا قوله صلى الله عليه وسلم:"لا نورث"على الاموال التى لها بال-فهى التى لا تورث،لا ما يتركون من طعام واثاث وسلاح -وهذا التاويل خلاف ما ذهب اليه ابو بكر وعمر وسائر الصحابة رضى الله عنهم)

(شرح النووی علی مسلم:باب حکم الفئ:جلد6ص207-مکتبہ شاملہ)

توضیح:مذکورہ بالاعبارت میں بھی قاضی عیاض مالکی کی عبارت منقول ہے جس میں حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اجتہاد وتاویل کا ذکر ہے۔

مفسر نظام الدین نیشاپوری:(م850ھ)نے لکھا:(روى ان فاطمة رضى الله عنها لما طلبت الميراث احتجوا بقوله صلى الله عليه وسلم:(نحن معاشر الانبياء لا نورث ما تركناه صدقة)واحتجت بقوله تعالى حكاية عن زكريا :(يرثنى ويرث من آل يعقوب) (مريم: 6) وبقوله: وورث سليمان داؤد)(النمل: 16)والاصل فى التوريث للمال-ووراثة العلم او الدين مجاز-وبعموم قوله:(يوصيكم الله فى اولادكم)(تفسیر نیشاپوری:جلد2ص448-مکتبہ شاملہ)

توضیح:منقولہ بالاتفسیر میں وضاحت ہے کہ جب حدیث نبوی((نحن معاشر الانبیاء:الحدیث))پیش کی گئی تو حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سورہ مریم کی آیت کریمہ(یرثنی ویرث من آل یعقوب)اور سورہ نمل کی آیت مقدسہ((وورث سلیمان داؤد)کو پیش فرمایا۔ان آیات مبارکہ میں حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت کا ذکر ہے۔ مال میں وراثت کا جاری ہونا اصل اور حقیقی مفہوم ہے اور علم وفضل یا دین کی وراثت مجازی معنی ہے۔اسی طرح آیت طیبہ(یوصیکم اللہ فی اولادکم)کے عموم سے حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے استدلال فرمایا۔اس تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث نبوی کی معرفت کے باوجود آپ اجتہاد وتاویل کے ذریعہ مال نبوی میں وراثت کی قائل تھیں،پھر بعد میں آپ نے اپنے موقف سے رجوع فرمالیا اور میراث نبوی کی عدم تقسیم پر بشمول حضرت سیدہ زاہرہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اجماع منعقد ہوگیا۔

میراث نبوی کی عدم تقسیم پر اجماع

امام نووی شافعی نے تحریر فرمایا:(قال القاضى عياض:وفى ترك فاطمة منازعة ابى بكر بعد احتجاجه عليها بالحديث التسليم للاجماع علٰى قضية-انها لما بلغها الحديث وَبَيَّنَ لها التأويل تركت رأيها -ثم لم يكن منها ولا من ذريتها بعد ذلك طلب ميراث-ثم ولى على الخلافة فلم يعدل بها عما فعله ابو بكر وعمر رضى الله عنهما)

(شرح النووی علی مسلم:باب حکم الفئ:جلد6ص207-مکتبہ شاملہ)

توضیح:جب حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حدیث نبوی سنائی اور پھر آپ نے اس حدیث کی تشریح کی تو حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی رائے کو ترک کردیا ،اور اس فیصلے پر اجماع صحابہ کو تسلیم فرمالیا۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے دور خلافت میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی۔حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد پاک میں سے بھی کسی نے اس میں میراث کا مطالبہ نہ فرمایا۔

امام فخر الدین رازی نے رقم فرمایا:(ان فاطمة رضيت بقول ابى بكر بعد هذه المناظرة- وانعقد الاجماع علٰى صحة ما ذهب اليه ابو بكر)(التفسیر الکبیر جلد9ص171-مکتبہ شاملہ)

توضیح: حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بات چیت کے بعد موقف صدیقی پر اضی ہوگئیں اور میراث نبوی کی عدم تقسیم پر اجماع قائم ہوگیا۔

حاصل بحث

(1) شیعہ مذہب میں حضرات ائمہ اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین معصوم ہیں۔ان سے کوئی گناہ نہ بالقصد صادر ہوسکتا ہے، نہ ہی سہو وخطا کے سبب صادر ہوگا۔نہ ہی ان سے شرعی احکام میں اجتہادی خطا صادر ہوگی۔

اہل سنت وجماعت کے یہاں حضرات اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین گناہوں سے محفوظ ہیں، لیکن ان سے اجتہادی خطا کا صدور ہوسکتا ہے۔اسی طرح بلاقصد ان سے زلت کا صدور بھی ہوسکتا ہے۔

جب ان سے اجتہادی خطا کا صدور ممکن ہے تو ان کی جانب اجتہادی خطا کی نسبت بھی ہوسکتی ہے۔

(2) حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو باغ فدک کا مطالبہ فرمایا تھا۔اس بارے میں دو قول ہیں۔

اکثر علما کا قول ہے کہ آیت میراث کے عموم سے استدلال فرما کر آپ نے وراثت کا مطالبہ فرمایا تھا اور یہ اجتہاد نہیں ہے۔اس وقت آپ کو حدیث نبوی کی اطلاع نہ تھی۔جب حدیث نبوی کا علم ہوا تو آپ نے مطالبہ ترک فرمادیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حدیث نبوی کا علم آپ کو تھا اور آپ نے اس میں تاویل فرمائی اور اسی تاویل کے سبب باغ فدک کا مطالبہ فرمایا اور نص محتمل میں تاویل کرنا اجتہاد ہے،لہٰذا یہ مطالبہ اجتہاد کے سبب تھا۔

خواہ یہ مطالبہ اجتہاد کے سبب ہو، یا نص قرآنی کے عموم سے استدلال کے سبب۔دونوں صورت میں حق کی یافت نہ ہوسکی اور یہ مطالبہ نفس الامر کے مطابق نہ ہوسکا۔اس کو خطائے اجتہادی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

اگر اجتہاد ہے تو خطائے اجتہادی حقیقی معنی میں مستعمل ہوگا، ورنہ عدم اصابت حق کو مجازی طور پر خطائے اجتہادی سے تعبیر کرنا درست ہوگا۔

(3) اجتہادی خطا کو لفظ خطا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خطائے اجتہادی کو مطلق خطا سے تعبیر کیا۔اسی طرح کتابوں میں خطائے اجتہادی کی تعبیر مطلق لفظ خطا سے ہوئی ہے۔

جو لوگ عدم اصابت حق کی صورت میں لفظ خطا، یا خطائے اجتہادی کے استعمال کو بے ادبی قرار دیتے ہیں ،انہیں اپنے نظریہ پر نظر ثانی کی ضرورت ہے، یا کوئی صریح جزئیہ پیش کریں کہ ایسے مواقع پر لفظ خطا یا خطائے اجتہادی کا استعمال غلط ہے، نیز بتائیں کہ عدم اصابت حق کی تعبیر کس لفظ سے کی جائے؟ اسلاف کرام نے عدم اصابت حق کی تعبیر لفظ خطا سے کی ہے۔اگر کوئی مناسب تعبیری لفظ پیش کیا جائے تو اس کی قبولیت سے انکار نہیں، لیکن اگر کسی نے خطا کا لفظ بھی استعمال کر دیا تو اس پر گمرہی کا حکم عائد ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

طارق انور مصباحی

جاری کردہ:18: ستمبر 2020

بروز: جمعہ مبارکہ

☆☆☆☆☆

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوات والتسلیمات علیٰ حبیبہ المصطفٰے وآلہ

لفظ خطا اور سوالات

متکلم کے لفظ خطا کے استعمال پر اس قدر ہنگامہ آرائی سے قبل اس بارے میں حکم شرعی پر غور وفکر کر لیا جائے۔درحقیقت شرعی طور پر توبہ کا مطالبہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ لفظ خطا کا استعمال اس مقام پر شرعی طور پر غلط ہو۔مسئلہ کی تفہیم کے لیے چند سوالات درج ذیل ہیں۔

سوال اول: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی مخلوق کو ہر قسم کی خطا سے پاک ومنزہ جاننا کفر ہے یا ضلالت وگمرہی؟ یا کچھ بھی نہیں؟

سوال دوم: غیر معصومین سے خطا کا صدور ہوتا ہے تو لفظ خطا کا استعمال ان کے حق میں ممنوع کیوں کر ہوگا؟

سوال سوم: کیا معصوم ہر قسم کی خطا، یعنی خطا بمعنی بھول چوک، سہو ونسیان اور خطا بمعنی خطائے اجتہادی سے بھی پاک ہوتے ہیں؟ یا خطا بمعنی ذنب وگناہ سے پاک ہوتے ہیں، جس کو عربی زبان میں ''خطیۂ'' کہا جاتا ہے؟ کیا خطائے اجتہادی کا استعمال حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے وارد نہیں ہوا؟

سوال چہارم: باغ فدک کا مسئلہ کہ اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، یہ مسئلہ فقہیات میں سے ہے۔

خاتون جنت حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے باغ فدک کا مطالبہ اجتہاد کے سبب فرمایا یا نص قرآنی کے اعتبار سے۔یہ امر حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرت کا ایک حصہ ہے یا فقہیات واعتقادیات کے باب کا کوئی مسئلہ؟

سوال پنجم: اگر کسی کی سیرت سے متعلق کسی امر میں کوئی مرجوح قول کو اختیار کر لے تو کیا اس کا وہی حکم ہوگا جو باب فقہ وعقائد کے مرجوح قول کو اختیار کرنے کا حکم ہے؟

سوال ششم: بالفرض اگر تمام علما وفقہا اس بات پر متفق ہوں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات دس شوال کو ہوئی تھی۔ایک مؤرخ کہتا ہے کہ ان کی وفات پچیس شوال کو ہوئی تھی اور اپنی تحقیق پر اس کے پاس کچھ دلائل بھی ہوں، گرچہ وہ دلائل کمزور ہی ہوں تو اس مؤرخ پر ازروئے شرع کیا حکم عائد ہوگا؟

سوال ہفتم: اگر یہ فرض کیا جائے کہ جس وقت متکلم نے مطالبہ باغ فدک کو خطائے اجتہادی کہا تھا، اس وقت ان کے علم میں صرف یہی تھا کہ یہ مطالبہ اجتہاد کے سبب تھا اور اس مسئلہ میں حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد صحیح تھا تو اس اعتبار سے اس کا معارض اجتہاد غیر صحیح ہوگا۔اسی اعتبار سے انہوں نے حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اجتہاد کو خطائے اجتہادی کہا تو ایسی صورت میں ازروئے شرع کیا حکم وارد ہوتا ہے؟

الحاصل اس طرح کے بہت سے سوالات وارد کیے جا سکتے ہیں۔

جب بعض علما نے مطالبہ باغ فدک کو اجتہاد کا نتیجہ قرار دیا اور پھر اس مسئلہ میں تمام صحابہ کرام کا اجماع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف پر ہے اور یہ معلوم ہے کہ کسی خطا پر امت کا اجماع نہیں ہوتا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف کا صحیح ہونا اس پر اجماع صحابہ سے ظاہر ہو گیا۔

اب حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مطالبہ اگر اجتہاد کے سبب تھا تو یہ اجتہاد فاطمی اجتہاد صدیقی کے

بالمقابل ہے،اور اجتہاد صدیقی پر اجماع صحابہ سے اس اجتہاد کا صحیح ہونا ثابت ہوگیا تو اس کے بالمقابل اجتہاد کی حیثیت متعین ہوگئی۔آپ اس کی تعبیر غیر صواب اجتہاد یا مفضول اجتہاد یا کسی ایسے لفظ سے کر سکتے ہیں جس سے بات سمجھ میں آ سکے،اور بے ادبی کا شبہہ بھی نہ ہو۔عام طور پر اس کی تعبیر کے لیے خطائے اجتہادی کا لفظ مستعمل ہے،اور یہ استعمال معیوب نہیں ، بلکہ مروج ہے۔تادم تحریر اس لفظ کا کوئی متبادل لفظ مستعمل نہیں ہے۔

اگر متکلم اپنے بیان اول میں مطلق لفظ خطا کی جگہ خطائے اجتہادی کہتے تو عرفی طور پر جو ناپسندیدگی کا اظہار کیا جارہا ہے،اس کی امید نہیں تھی۔چوں کہ یہ لفظ ایک رافضیہ کو جواب دیتے ہوئے اور اس کا رد کرتے ہوئے کہا گیا ہے،اس لیے اس کو بحث ومناظرہ پر محمول کیا جائے گا۔قانونی طور پر اعتقاد پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے متعلق چوں کہ متکلم کے اعتقادات صحیح ہیں اور پھر مطلق لفظ خطا کی وضاحت انہوں نے خطائے اجتہادی سے کردی ہے تو اب عرفی طور پر بھی الزام ختم ہوجانا چاہئے۔اس امر میں سوالات کی بجائے شرعی حکم بیان کیا جائے کہ کسی معظم دینی غیر معصوم کے لیے مطلق لفظ خطا کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

ایسا محتمل لفظ کے جس کے بعض معانی اہل فضل کے مناسب اور بعض غیر مناسب ہوں،لیکن جب اہل فضل کے لیے اس لفظ محتمل کا استعمال ہو تو ذہن اہل فضل کے شایان شان مفہوم کی طرف متبادر ہوتا ہو،یا استعمال کرنے والے کے اعتقادات صحیحہ اس کے ایسے مفہوم پر قرینہ بن جائیں جو مفہوم اہل فضل کے موافق ہو تو ایسی صورت میں اس محتمل لفظ کا کون سا مفہوم مراد ہوگا؟

چوں کہ لفظ خطا محتمل ہے تو لامحالہ اس کے مفہوم کے تعین کے لیے متکلم کی مراد دریافت کی جائے گی۔کسی کے کلام میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں،ایک احتمال اسلام کا ہو تو مفتی اسلامی مفہوم کو اختیار کرے گا۔جب متکلم کا بیان موجود ہو،اور لفظ محتمل اس مفہوم کا احتمال رکھتا ہو تو مفتی اسی مفہوم کے اعتبار سے حکم جاری کرے گا۔

مومن کے کلام کو حتی الامکان صحیح مفہوم پر محمول کیا جائے گا۔واضح رہے کہ یہ محتمل کلام کا حکم ہے۔کسی معنی میں مفسر ومتعین کلام کا یہ حکم نہیں۔مفسر لفظ میں مفہوم متعین ہوتا ہے۔کسی دوسرے معنی کی گنجائش نہیں ہوتی۔

اس موضوع پر تین قسطیں رقم کر کے ہم نے سوشل میڈیا پر اپ لوڈ کردیا ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ مزید قسطیں لکھنے کا ارادہ ہے۔فریقین میں سے کسی کی طرف داری مقصود نہیں۔محض حکم شرعی کی وضاحت مقصود ہے۔

واللہ الہادی الی الصراط المستقیم

طارق انور مصباحی

جاری کردہ:07:اگست 2020

☆☆☆☆☆

مبسملا و حامدا::مصلیا و مسلما

اجتہاد فاطمی: اعتقادیات میں سے ہے یا فقہیات میں سے؟

سوال اول: باغ فدک کا مطالبہ اجتہاد کے سبب تھا یا نص قرانی کے پیش نظر؟

اس بارے میں مذہب اہل سنت و جماعت کا مسلک مختار کیا ہے؟

جواب:

زید کا ایمان لانا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، حج کرنا، تحقیق کرنا، اجتہاد کرنا وغیرہ اعمال اس کے شخصی اور ذاتی اعمال ہیں۔ زید کے اعمال وافعال علم فقہ یا علم عقائد کے مسائل نہیں۔ علم فقہ، فقہی مسائل کا مجموعہ ہے اور علم عقائد اعتقادی مسائل کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اجتہاد یا عمل بالقرآن ان کے شخصی اعمال وذاتی افعال ہیں اور علم فقہ وعلم عقائد سے خارج ہیں۔ فقہی مسائل ومعلومات علم فقہ کے اجزا اور حصے ہیں اور اعتقادی مسائل ومعلومات علم عقائد کے اجزا ہیں۔

حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اعمال وافعال کا تذکرہ ان کی سیرت وسوانح کا حصہ ہوگا۔

اہل سنت کا کوئی مختار مذہب کسی مختلف فیہ اعتقادی مسئلہ میں ہوتا ہے۔ ان مذاہب میں جو راجح مذہب ہو، وہ مذہب مختار ہے، اور جو مرجوح مذہب ہو، وہ مذہب غیر مختار ہے۔

ضروریات دین یا ضروریات اہل سنت میں اہل سنت وجماعت کے درمیان اختلاف نہیں ہوتا۔

غیر اجماعی، فروعی وظنی اعتقادیات میں اختلاف ہوتا ہے، جیسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علوم خمسہ حاصل ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ اور علامہ سید احمد برزنجی شافعی مدنی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے۔

حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باغ فدک کا مطالبہ اجتہاد کے سبب تھا یا نص قرانی کے پیش نظر؟

یہاں چھ امر ہیں۔

۱،۲_ اجتہاد کرنا یا نص قرآنی پر عمل کرنا

۳،۴_ اجتہاد یا نص قرآنی پر عمل کا جائز ہونا

۵_ باغ فدک کا مطالبہ کرنا

۶_ باغ فدک کے مطالبہ کا جائز یا ناجائز ہونا

ان چھ امور میں سے تین امور حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شخصی فعل اور ذاتی عمل ہے، اور وہ تینوں امور باب فقہیات سے خارج ہیں۔ وہ تین امور حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اجتہاد کرنا، حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نص قرآنی پر عمل کرنا اور حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باغ فدک کا مطالبہ کرنا ہے۔

باقی ماندہ تین امور باب فقہیات سے ہیں۔ وہ تین امور یہ ہیں۔

الف: اجتہاد کا جائز ہونا۔ مجتہد کے لیے اجتہاد جائز ہے۔ غیر مجتہد کے لیے ناجائز۔

ائمہ اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو مجتہد تسلیم کیا گیا ہے۔حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مجتہد ہونے میں شک نہیں کیا جا سکتا۔

ب:نص قرآنی پرعمل کا جائز ہونا۔مومن کو قرآن وحدیث پر ہی عمل کا حکم ہے۔دیگر مذاہب کے احکام و قوانین پرعمل کی اجازت نہیں۔

ج:باغ فدک کے مطالبہ کا جائز یا ناجائز ہونا۔

نبی کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس بارے میں حدیث نبوی کی عدم اطلاع وعدم معرفت کے وقت مطالبہ کیا تھا تو عدم اطلاع کی حالت میں اس مطالبہ کو ان کے حق میں غیر مباح نہیں کہا سکتا۔حدیث پر اطلاع پا کر ترک مطالبہ حکم شرعی کے موافق ہوا تو نہ مطالبہ غیر مباح ہوا،اور نہ ہی ترک مطالبہ خلاف شرع ہوا،نیز حکم شرعی سن کر مال و دولت سے دست برداری نے حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعدد اوصاف حسنہ اور ان کے حسن باطن کو اجاگر اور روشن کر دیا۔

الحاصل حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اجتہاد یا نص قرآنی پر ان کا عمل ان کی سیرت وسوانح کا ایک حصہ اور ان کا ذاتی عمل اور شخصی وصف ہے۔اس کا تعلق باب اعتقادیات اور باب فقہیات سے نہیں۔اس بارے میں مذہب اہل سنت کا کوئی مختار قول نہیں ہوگا۔ہاں،علمائے اہل سنت کا مختار قول ممکن ہے،لیکن اس قول مختار کی مخالفت کا وہ حکم نہیں ہوگا جو باب اعتقادیات اور باب فقہیات کے قول مختار کی مخالفت کا حکم ہے۔

دوسری بات یہ بھی مدنظر رکھیں کہ ہر اختلافی مسئلہ میں کوئی مختار اور راجح قول ہونا ضروری نہیں۔

اشعریہ اور ماتریدیہ کے یہاں بعض ظنی،فروعی وغیر اجماعی عقائد میں اختلاف ہے۔ہر ایک طبقہ اپنے مذہب پرعمل پیرا ہے۔ان فروعی اعتقادی مسائل میں ہر ایک کو اپنی تحقیق کے مطابق حق اور صحیح اعتقاد کیا جاتا ہے۔یہی حال فقہی مسالک اربعہ کا ہے کہ ہر ایک کو اپنے اجتہاد کے مطابق اہل حق شمار کیا جاتا ہے۔

سوال دوم:مذہب مختار اور قول غیر مختار میں فرق کیا ہے؟

جواب:

مذہب مختار اور قول غیر مختار میں فرق یہ ہے کہ مذہب مختار راجح ہوگا اور قول غیر مختار مرجوح ہوگا۔

باب فقہیات میں مرجوح قول پر فتویٰ یا عمل کی اجازت نہیں۔

تاریخ اور سیرت وسوانح کے مشمولات ومندرجات کا یہ حکم نہیں۔

حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مطالبہ اجتہاد کے سبب ہو تو ان کا اجتہاد اور ان کا مطالبہ،یہ دونوں امر ان کے ذاتی وشخصی اعمال وافعال میں سے ہیں۔اگر نص قرآنی پرعمل کے سبب مطالبہ تھا تو نص قرآنی پر حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عمل اور مطالبہ دونوں ان کے شخصی اعمال وذاتی افعال ہیں۔یہ ذاتی اعمال وافعال علم فقہ یا علم عقائد کے مسائل نہیں ہیں۔اگر کسی کو شک گزرے تو حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شخصی اعمال وذاتی افعال پر علم فقہ وعلم عقائد کی تعریف کو منطبق کر کے دیکھے۔ان شاء اللہ تعالیٰ حقیقت حال ظاہر ہو جائے گی۔

الحاصل اگر یہ بات علمائے اہل سنت وجماعت کے یہاں راجح ہو کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مطالبہ عمل بالقرآن کے سبب تھا،اجتہاد کے سبب نہیں تھا،اور اجتہاد کے سبب مطالبہ کا قول مرجوح ہو،تو اگر کوئی اسی مرجوح قول کو اختیار کر لے تو اس پر وہ حکم وارد نہیں ہوگا جو حکم باب فقہ اور باب عقائد کے مرجوح قول کو اختیار

کرنے پر وارد ہوتا ہے۔علم فقہ وعقائد کے احکام الگ ہیں اور علم تاریخ وفن سیرت وسوانح کے احکام الگ ہیں۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استخراج کردہ فقہی مسائل باب فقہیات میں سے ہیں،لیکن ان کا اجتہاد ان کا ایک شخصی وصف اور ذاتی عمل ہے۔کسی مومن کا ذاتی عمل اور اس کا شخصی وصف فقہ سے خارج ہوگا اور وہ ذاتی عمل فقہی احکام کا محل ورود ہوگا کہ فلاں شخص کا ذاتی عمل جائز ہے یا ناجائز؟مستحب ہے یا مکروہ؟

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد جائز ہے اور میرا اجتہاد ناجائز،کیوں کہ شرائط اجتہاد مجھے میسر وحاصل نہیں تو جو وصف یا عمل فقہ شرعی کا محل ورود ہے،یعنی جس پر فقہی احکام وارد ہوتے ہیں،اگر وہ فقہ بن جائے تو وارد ومحل ورود کا ایک ہونا لازم آئے گا،یہ ویسا ہی محال،جیسا ظرف ومظروف کا متحد بالذات اور ایک ہونا محال ہے۔

اگر کہا جائے کہ علم فقہ حاصل کرنا فرض ہے تو یہاں حکم فقہی بعینہ فقہ پر وارد ہو گیا تو وارد ومحل ورود ایک ہو گئے۔جواب یہ ہے کہ حکم فقہی یعنی تحصیل علم فقہ کا فرض ہونا یہ حکم تحصیل علم فقہ پر وارد ہوگا،نہ کہ علم فقہ پر۔

تحصیل علم فقہ یہ مومن کا وصف ہے اور علم فقہ،فقہی احکام کا مجموعہ ہے۔علم فقہ میں بندوں کے افعال واعمال سے بحث ہوتی ہے،اس اعتبار سے کہ وہ افعال واعمال صحیح ہیں یا فاسد ہیں۔

علم فقہ کا موضوع بندوں کے افعال ہیں،اور فن میں موضوع کے عوارض ذاتیہ سے بحث ہوتی ہے اور عوارض ذاتیہ موضوع کے احوال واوصاف ہوتے ہیں۔یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حال اور صاحب حال اور صفت اور موصوف متغایر بالذات ہوتے ہیں۔

علم فقہ فقہی مسائل کا مجموعہ ہے۔بندوں کے افعال واعمال فقہی مسائل نہیں ہیں،پھر کسی کا حج کرنا، تلاوت قران کرنا،اجتہاد کرنا،یا جھوٹ بولنا،چوری کرنا،رشوت لینا وغیرہ افعال فقہی مسائل کیسے ہو سکتے ہیں؟

یہ حکم فقہی مسائل سے متعلق ہے کہ جو مسئلہ اور جو قول مرجوح ہو،اس پر عمل کرنا اور اس پر فتوی دینا جائز نہیں۔بندوں کے افعال جب فقہی مسائل نہیں ہیں تو یہ حکم ان اعمال وافعال سے متعلق نہیں ہوگا۔

اس امر کی اس قدر توضیح اس واسطے رقم ہوئی کہ مسئلہ حاضرہ کی تحقیق میں اس کی ضرورت درپیش ہوگی اور کسی محقق کو اس بارے میں تسامح ہو سکتا ہے۔

سوال سوم:کیا میراث نبوی کی عدم تقسیم کا مسئلہ باب فقہیات سے ہے؟

جواب:

ہاں،میراث نبوی کی عدم تقسیم کا مسئلہ باب فقہیات میں سے ہے۔جس طرح وراثت کے دیگر مسائل باب فقہیات سے ہیں۔جب تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ میراث نبوی کی تقسیم نہیں ہوگی۔خود حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حدیث نبوی سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کردہ حکم پر متفق ہو گئیں اور کسی صحابی کا اس میں اختلاف نہ رہا تو یہ مسئلہ ضروریات اہل سنت میں سے ہو گیا۔اس کے بالمقابل اہل سنت کا کوئی دوسرا قول نہیں ہو سکتا۔حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سب اس مسئلہ پر متفق ہیں۔

سوال چہارم:

کیا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے کہیں حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اجتہاد کا ذکر فرمایا ہے؟

جواب:

ممکن ہے کہ امام اہل سنت قدس سرہ العزیز سے اس بارے میں سوال نہ ہوا ہو تو آپ نے کچھ نہیں لکھا۔ اگر وہ کچھ تحریر فرما جاتے تو یقیناً ہمارے لیے قول فیصل ہو جاتا۔اب ماوشما کو یہ مسئلہ حل کرنا ہے کہ اگر غیر معصوم اہل فضل وکمال کے واسطے لفظ خطا کا استعمال ہو تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ ہمارے چار مضامین اس تعلق سے اپ لوڈ ہو چکے ہیں۔ان کو دیکھ لیں۔

سوال پنجم:

کیا کسی صحابی نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باغ فدک کے مطالبہ میں خطا پر تھیں؟

جواب:

سوال میں خطا سے اگر خطائے اجتہادی مراد ہے اور بالفرض حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مطالبہ باغ فدک بوجہ اجتہاد تھا تو عدم تقسیم میراث نبوی پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہے۔خود حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حدیث نبوی سن کر اس مسئلہ پر متفق ہوگئیں تو اجماع صحابہ کرام بشمول حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ ثابت ہوگا کہ بوجہ اجتہاد طلب باغ فدک غیر صواب تھا۔

حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسئلہ سے اتفاق بھی خود ظاہر کرے گا کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اجتہاد غیر صواب تھا۔

اگر یہ مطالبہ بوجہ اجتہاد نہ تھا تو نہ یہاں اجتہاد ہوگا نہ خطائے اجتہادی۔اس صورت میں علما کو یہ مسئلہ حل کرنا ہوگا کہ کسی کو بعض علما کی تحریر سے یہ معلوم ہوا کہ مطالبہ باغ فدک بوجہ اجتہاد تھا، پھر اس نے دیکھا کہ تمام صحابہ کرام بشمول حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد میں عدم تقسیم میراث نبوی پر متفق ہوگئے اور اس سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اجتہاد کے سبب مطالبہ باغ فدک غیر صواب تھا اور اس نے کہا کہ اس مطالبہ میں حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اجتہادی خطا ہوگئی تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

قائل کو یہ علم نہ ہوسکا کہ اس مطالبہ کا بوجہ اجتہاد ہونا علما کے درمیان مختلف فیہ ہے تو شرعی اعتبار سے قائل پر کوئی حکم کیسے عائد ہوسکتا ہے؟ نیز خطائے اجتہادی کی نسبت حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جانب بھی ہوئی ہے۔یہ خطا عیب نہیں ہے، بلکہ اجر وثواب کا ذریعہ اور فضل وکمال کو ظاہر کرنے والی ہے۔

امت مسلمہ میں اولیائے کرام کی تعداد ہزاروں، بلکہ لاکھوں سے زیادہ ہے،لیکن مجتہدین کی تعداد سو تک، بلکہ پچاس تک بھی پہنچنا مشکل ہے۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں قریبا بیس مجتہد تسلیم کیے جاتے ہیں۔چند مجتہدین ائمہ اہل بیت میں ہیں۔پھر چار مشہور ائمہ مجتہدین اور مزید چند حضرات مثلاً ابن ابی لیلیٰ،امام اوزاعی وغیرہما کو مجتہد تسلیم کیا جاتا ہے۔

سوال ششم: اہل فضل وکمال کے لیے مطلق لفظ خطا کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور حضرات انبیائے کرام وملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ایسا محتمل لفظ استعمال نہیں ہوتا،جس کے بعض معانی اللہ تعالیٰ یا حضرات انبیائے کرام وملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر منطبق نہ

ہوتے ہیں۔ایسے بعض محتمل وموہم لفظ کا استعمال خلاف اولیٰ اور مکروہ بھی ہے اور بعض کا استعمال حرام بھی ہے۔

لفظ میاں کے متعدد معانی ہیں۔بعض معانی اللہ تعالیٰ پر منطبق ہوتے اور بعض معانی منطبق نہیں ہوتے ہیں،اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ میاں کے استعمال سے منع کیا گیا۔

لفظ راعنا کے بعض اچھے معانی تھے اور بعض لوگ غلط معنی مراد لیتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے اس لفظ کے استعمال سے منع فرمادیا۔

عام مومنین کے لیے محتمل ومشترک لفظ کا استعمال ہوتا ہے،جیسے لفظ خواجہ کا اطلاق بہت سے اکابر اولیائے کرام کے لیے ہوتا ہے،حالاں کہ اس کے بعض معانی اولیائے کرام پر منطبق نہیں ہوتے۔

لفظ خواجہ کے متعدد معانی ہیں،مثلاً خداوند،آقا،سردار،صاحب،ہیجڑا،مخنث وغیرہ۔

لفظ خطا بھی محتمل ہے۔یہ کسی معنی میں متعین نہیں،بلکہ متعدد معانی کا احتمال رکھتا ہے۔خطا کا ایک معنی خطائے اجتہادی ہے۔خطائے اجتہادی کا استعمال حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہوا ہے۔

خطا کا ایک معنی بھول چوک،سہو ونسیان ہے۔

رب تعالیٰ ان تمام سے پاک ومنزہ ہے اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام امور تبلیغیہ میں بھول چوک،سہو ونسیان سے معصوم ہیں۔ان نفوس قدسیہ کے ذاتی اعمال میں سہو ونسیان ممکن ہے۔

سہو کے سبب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چار رکعت کی نماز دو ہی رکعت ادا فرمائی،پھر اس جانب توجہ دلائی گئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تکمیل فرمائی۔

سہو ونسیان،بھول چوک کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے لفظ نسیان سے مشتق الفاظ کا استعمال حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے حدیث شریف میں وارد ہے۔لفظ خطا کا مطلق استعمال حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے دیکھنے کو نہیں ملا،گرچہ سہو ونسیان اور بھول چوک خطا ہی کی صورتیں اور قسمیں ہیں۔

لفظ خطا متعدد معانی کا محتمل اور مشترک لفظ ہے۔اس کے بعض معانی حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر منطبق نہیں ہوتے تو مطلق لفظ خطا کے استعمال کی اجازت نہیں ہوگی۔یہ ممانعت کس درجے کی ہوگی،خلاف اولیٰ،اسائت،مکروہ تنزیہی،مکروہ تحریمی یا حرام؟اس کی تحقیق کرنی ہوگی۔

غیر نبی یعنی مومنین کے لیے مطلق لفظ خطا کے استعمال کی ممانعت کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی ہے۔مومنین کے لیے مشترک ومحتمل لفظ کا استعمال ہوتا ہے،گرچہ اس کے بعض معانی بعض مومنین پر منطبق نہ ہوسکیں۔

اردو زبان میں لفظ خطا کے معانی

خطا کا ایک معنی گناہ ومعصیت ہے۔اگر کسی عام مسلمان سے بھی گناہ ہوجائے تو بلاضرورت وحاجت اس کی تشہیر کی اجازت نہیں،ورنہ یہ تشہیر اور واقع شدہ گناہ کی طرف اس مومن کی نسبت بھی غیبت وچغل خوری کے دائرے میں آجائے گی۔اس کی تفصیل فقہی کتابوں میں دیکھ لیں۔

الحاصل بوجہ ضرورت وحاجت کسی مومن کی طرف اس سے صادر شدہ گناہ کی نسبت کرنا صحیح ہے،اور کسی مومن پر گناہ کا جھوٹا الزام لگانا ناجائز ہے۔اسی طرح بلاضرورت وحاجت کسی مومن کے گناہ کا چرچا کرنا غیبت وچغل خوری میں داخل ہے۔

معصومین سے گناہ کا صدور ہی نہیں ہوتا تو ان کی جانب گناہ کی نسبت ہو نہیں سکتی۔اگر کسی نے معصومین

یعنی حضرات انبیائے کرام وملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف گناہ کی جھوٹی نسبت کی اور گناہ کا جھوٹا الزام عائد کیا تو یہ بے ادبی ہے اور ''مومن بہ'' کی ایسی بے ادبی کفر ہے۔واضح رہے کہ یہ حکم حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت کرنے کا ہوگا ، کیوں کہ بلا قصد وارادہ گناہ صغیرہ کے صدور سے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معصوم ہونے میں اختلاف ہے۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ بعض الفاظ لغوی اعتبار سے مشترک ومحتمل ہیں،لیکن وہ کسی اصطلاح میں ایک مفہوم کے ساتھ خاص ہو چکے ہیں، جیسے رسول کا معنی قاصد بھی ہے۔اسی طرح پیغمبر کا معنی بھی قاصد ہے،لیکن شرعی اصطلاح میں یہ دونوں لفظ نبی ورسول کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ یہ منقولات شرعیہ میں سے ہیں۔

اہل اسلام کے یہاں اب ان دونوں لفظ کا استعمال لغوی معنی میں نہیں ہوتا ، بلکہ شرعی اصطلاح کے مطابق ہوتا ہے تو غیر نبی کو رسول یا پیغمبر کہنا کفر ہوگا۔

اس بحث میں مشترک اور محتمل سے وہ لفظ مراد ہے جو اپنی اصلی حالت پر باقی رہے،یعنی اس کا استعمال مشترک ومحتمل لفظ کے طور پر مروج ہو۔لفظ خطا تادم تحریر اردو زبان میں مشترک ومحتمل ہی ہے۔اہل عرب کے یہاں بھی محتمل ہے۔اصطلاح شرع میں بھی محتمل ہی ہے۔کسی خاص مفہوم کے لیے لفظ خطا کا استعمال خاص نہیں:واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

طارق انور مصباحی

08:اگست 2020

☆☆☆☆☆

(۸)

مبسملا وحامدًا::ومصلیا ومسلما

لفظ خطا اور لفظ غیر صواب

میرے مضمون ''اجتہاد فاطمی: باب اعتقادیات سے ہے یا باب فقہیات سے؟'' کے بعض الفاظ وعبارات سے متعلق وضاحت طلب کی گئی ہے۔سائل کے سوالات اور میری جانب سے توضیح وتشریح مندرجہ ذیل ہے۔

(طارق انور مصباحی)

فاضل مضمون نگار نے لکھا کہ سیدہ کائنات کا مطالبہ فدک غیر صواب تھا،ان سے ہمارے چند سوالات:

1-آپ کو خطا کی بجائے غیر صواب لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی جبکہ مطلب آپ کا بھی خطا ہی ہے؟

جواب:

ڈاکٹر جلالی اور اصحاب جمال وکمال (قسط اول) میں ہم نے وضاحت کر دی ہے کہ ایسے مقام پر ایسے الفاظ وعبارات کا استعمال ہو کہ نفس مسئلہ بھی سمجھ میں آ جائے اور کوئی انتشار بھی نہ ہو۔ یہاں غیر صواب سے یقیناً میری مراد خطائے اجتہادی ہے،لیکن چوں کہ میں مسئلہ کی تفہیم ووضاحت کی کوشش میں ہوں تو چاہتا ہوں کہ اصل مسئلہ حل ہو جائے۔ایسے پر خطر مقام پر کوئی ایسا لفظ استعمال کر دینا کہ لوگوں کی توجہ اصل مسئلہ سے ہٹ کر کسی اور

جانب ہوجائے، تو یہ خود اپنے ہاتھوں اپنے مقصد کو تباہ کرنا ہے۔

2-تاریخ میں ایسے کسی مستند بزرگ کا حوالہ دیجیے جنہوں نے طلب فدک کو غیر صواب/ خطا لکھا ہو؟

جواب:

ہم نے مطالبہ باغ فدک کو دوصورتوں میں سے کسی ایک کا نتیجہ قرار دیا ہے کہ یہ مطالبہ یا تو اجتہاد کے سبب ہوگا یا عمل بالقرآن کے سبب۔اس کے بعد ہم نے ان دونوں صورتوں پر بحث کی ہے۔ہم نے اس بحث میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اسلاف کرام نے ایسا لکھا ہے تو پھر مجھ سے یہ مطالبہ بھی نہیں ہوسکتا۔

سائل اور قارئین یہ یاد رکھیں کہ اسلامی اصول وقوانین کے اعتبار سے وہ بحث ہے۔اسلاف کرام کے اقوال وفرمودات کے اعتبار سے یہ بحث نہیں ہے، پھراس مقام پر مجھ سے اسلاف کرام کے اقوال طلب نہیں کیے جاسکتے، بلکہ اسلامی اصول وقوانین کی وضاحت طلب کی جاسکتی ہے،جن کی روشنی میں ہم نے بحث لکھی ہے۔

3-معدودے چند علمائے کرام کی عبارات سے ازخود استنباط کر کے سیدہ کائنات جیسی مقدس ترین ہستی کے فقط مطالبے کو غیر صواب/ خطا قرار دینے کا اختیار آپ کو کس نے دیا؟

جواب:

میں نے معدودے چند علما کی جانب سے اجتہاد کا قول ہونے کو اصل مبحث نہیں بنایا ہے، بلکہ دوصورت ہم نے پیش کی کہ یہ مطالبہ بوجہ اجتہاد تھا یا نص قرانی کے اعتبار سے تھا، پھر ہماری بحث کا مدار ہماری تجویز کردہ دو صورتوں پر ہے۔مجھے یہاں ان دوصورتوں کے علاوہ کوئی صورت ظاہر نہ ہوسکی۔جوصورتیں ظاہر ہوئیں،ان پر بحث مرقوم ہوئی۔

بندے محکوم ہیں،وہ نہ کسی کو روک سکتے ہیں اور نہ اجازت دے سکتے ہیں۔شریعت اسلامیہ کسی امر سے منع کرتی ہے اور کسی امر کی اجازت دیتی ہے۔علمائے کرام شریعت اسلامیہ کے احکام کو بیان کرتے ہیں۔شریعت اسلامیہ حاکم ہے اور بندے محکوم ہیں۔مذکورہ مضمون میں ہم نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ ’’مومن بہ‘‘ کے علاوہ یعنی مومنین کے لیے لفظ خطا بمعنی بھول چوک،سہوونسیان کا اطلاق جائز ہوگا یا ناجائز؟ عدم جواز کی صورت اب تک ظاہر نہ ہوسکی۔اگر عدم جواز کی کوئی دلیل کسی کی نظر میں ہے تو بیان کرے،تاکہ اس پر غور کیا جائے۔

4-قرآن حکیم کے واضح شرعی حکم کی بنیاد پر اپنے والد کی وراثت کا فقط مطالبہ کرنے کو دنیا کا کون سے قانون غیر صواب/ خطا کہتا ہے؟

جواب:

میری تحریر میں غور نہ کرنے کے سبب یہ سوال ہوا۔ہم نے لکھا ہے کہ اگر اجتہاد کے سبب مطالبہ ہوا،تب یہ اجتہاد غیر صواب ہوگا،اور یہ خطائے اجتہادی عیب نہیں، بلکہ موجب اجروثواب اور مظہر فضل وکمال ہے۔

قرآن مجید کے حکم واضح پر عمل کو غیر صواب نہیں کہا گیا۔میری عبارت دوبارہ پڑھ لی جائے۔

میں نے لکھا ہے: ’’اگر یہ مطالبہ بوجہ اجتہاد نہ تھا تو نہ یہاں اجتہاد ہوگا، نہ خطائے اجتہادی‘‘۔

دراصل آیت میراث جس کے سبب حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مطالبہ فرمایا تھا، وہاں حکم میں تعمیم نہیں تھی، بلکہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تخصیص تھی۔اس آیت میں تعمیم مراد لینے کو بعض علمانے

اجتہاد قرار دیا۔ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل رقم کی جائے گی۔

5-اگر کہا جائے کہ یہ مطالبہ بموجب حدیث ''نحن معاشر الانبیاء: الحدیث'' غیر صواب/ خطا ہے تو جناب یہ حدیث تو خود اسی مطالبے کی برکت سے دنیا کے سامنے آئی،اب جس مطالبے کی برکت سے آپ کو حدیث معلوم ہوئی،آپ خود اسی مطالبے کو خلاف اسلاف،غیر صواب/ خطا کہنے پر کیوں تلے ہوئے ہیں؟

جواب:

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجتہادی خطا کی برکت کے سبب روئے زمین پر انسان آباد ہوئے۔ اسی سبب سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زمین پر جانے کا حکم ہوا۔سائل کا وجود بھی اسی اجتہاد کی ایک برکت ہے، پھر اہل حق اس کو اجتہادی خطا بھی مانتے ہیں۔

6-اگر ہر وہ چیز جس کے متعلق بندے پر اس کے مطالبے کے بعد واضح ہو کہ وہ اسے نہیں مل سکتی،خطا کا اطلاق کیا جا سکتا ہے تو پھر کیا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ''رب ارنی انظر الیک'' کے مطالبے پر بھی خطا کا اطلاق کیا جا سکتا ہے؟

جواب:

سوال ہفتم کے جواب میں اس سوال کا بھی جواب ہے۔

7-قوم لوط پر عذاب قضائے مُبرَم حقیقی تھا،خلیل اللہ سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے جھگڑے تو اُنھیں ارشاد ہوا۔

يٰٓاِبۡرٰهِيۡمُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدۡ جَآءَ اَمۡرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمۡ اٰتِيۡهِمۡ عَذَابٌ غَيۡرُ مَرۡدُوۡدٍ

تو کیا ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے ردعذاب کا یہ مطالبہ کرنا خطا تھا؟

جواب:

اسی مضمون میں وضاحت ہے کہ محتمل لفظ کا کوئی معنی ''مومن بہ'' پر منطبق نہ ہو سکے تو ایسے محتمل لفظ کا استعمال ''مومن بہ'' کے لیے نہیں ہوگا۔مومن بہ سے وہ مراد ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔حضرات انبیائے کرام و ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا ضروری ہے۔یہ نفوس قدسیہ ''مومن بہ'' میں شامل ہیں۔لفظ خطا بعض ایسے معانی کا احتمال رکھتا ہے،جس کا اطلاق حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نہیں ہو سکتا تو مذکورہ بالا صورتوں میں لفظ خطا کا استعمال نہیں ہوگا۔

جہاں اجتہاد ہو،وہاں صحت اجتہاد اور اجتہادی خطا میں سے کوئی ایک ضرور ہوگی۔

حدیث نبوی سے عدم معرفت کے سبب مطالبہ کو خطائے اجتہادی نہیں کہا گیا، بلکہ آیت میراث میں تعمیم مراد لینے کو اجتہادی خطا بتایا گیا ہے۔اجتہاد کی وہ تمام صورتیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم اصلی سے متخلف ہو جائیں،وہ اجتہادی خطا ہیں،لیکن شرعی دلیل میں غور وفکر اور اپنی محنت وکوشش کے سبب مجتہد کو ایک اجر ملے گا۔

بالفرض اگر باغ فدک کا مطالبہ اجتہاد کے سبب تھا،پھر صحابہ کرام بشمول حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس پر متفق ہو گئے کہ میراث نبوی تقسیم نہیں ہوتی ہے،اور امت مسلمہ اپنے اجماع میں خطا سے محفوظ ہیں تو جس پر اجماع ہوا،وہ اللہ تعالیٰ کا حکم اصلی تسلیم کیا جائے گا اور اس کے ماسوا صورت کو اجتہادی خطا تسلیم کیا جائے گا۔

اسی تشریح کے مطابق باغ فدک کے مطالبہ کو سمجھا جائے۔

ارباب فضل وکمال کے لیے جس قدر مؤدب ومہذب لفظ کی اجازت شریعت میں ہے،اس قدر مہذب و باادب الفاظ استعمال کیے جائیں۔اہل فضل کے حق میں جن الفاظ کا استعمال ناجائز ہو،ان الفاظ کے استعمال کو جائز بتانا جرم ہے۔اسی طرح جن الفاظ کا استعمال جائز ہو،اس کے استعمال کو ناجائز بتانا بھی جرم ہے۔

مذہب اہل سنت وجماعت افراط وتفریط سے پاک ہے۔

متکلم کا جرم بھی ثابت نہیں ہو پا رہا ہے، پھر بھی اس قدر ہنگامہ ارائی ہے اور دیابنہ پر کفروارتداد کا فتویٰ ہے ۔ان لوگوں کا جرم ثابت ہے،لیکن ان کے حق میں نرمی دکھائی جاتی ہے۔خاص کر مذبذبین کا ٹولہ متکلم کے خلاف میدان میں اتر پڑا ہے:اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم

طارق انور مصباحی

09:اگست2020

☆☆☆☆☆

(۹)

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ

لفظ خطا پر مباحثے اور تحقیقات

برصغیر میں لفظ خطا کی تحقیق میں علمی قوتیں صرف ہو رہی ہیں اور اختلاف بھی ختم نہیں ہو پا رہا ہے۔یہ عجب مشکل گھڑی ہے۔لفظ خطا کو لفظ غلطی کی طرح معیوب سمجھا جانے لگا،حالاں کہ لغوی طور پر بھی خطا اور غلطی کے معانی میں فرق ہے،اور استعمال میں بھی فرق ہے۔اہل فضل وکمال کے لیے لفظ غلطی کا استعمال نہیں ہوتا ہے۔

پاکستان میں اب یہ معاملہ مکالمہ ومباحثہ سے آگے بڑھ کر تحقیقاتی امور میں شامل ہوتا جا رہا ہے۔لفظ خطا کی تحقیق پر مشتمل پاکستان سے متعدد مضامین ومقالات موصول ہوئے۔ایک طویل تحریر چند دنوں قبل نظر نواز ہوئی،جس میں متکلم کو ضال،مضل اور مذہب اہل سنت وجماعت سے خارج قرار دیا گیا ہے۔لامحالہ متضاد اقوال میں تمام اقوال حق نہیں ہو سکتے۔

میں نے اپنا نظریہ اپنے متعدد مضامین میں رقم کر دیا ہے۔بحمدہ تعالیٰ متصادم نظریات کی تردید رقم کر سکتا ہوں،لیکن ابھی انتظار کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ممکن ہے کہ محققین اپنے نظریات پر نظر ثانی فرما کر خود ہی کوئی عمدہ حل پیش فرمائیں۔اہل سنت وجماعت کا مختلف حصوں میں منقسم ہو جانا نقصان دہ ہے۔جواب اور جواب الجواب سے مسئلہ الجھ جاتا ہے،اور معاملہ حل نہیں ہو پاتا۔ہماری کوشش معاملہ کے حل کی ہے۔

دلائل کی روشنی میں یہاں شرعی طور پر جرم ثابت نہیں ہو پاتا ہے۔ایک تحقیق کے بالمقابل دوسری تحقیق ہو سکتی ہے۔اگر پہلی تحقیق حرف آخر نہیں تو پھر دوسری تحقیق بھی حرف آخر نہیں،لہٰذا ہر محقق اپنے نظریہ پر نظر ثانی فرمائے۔زلت،لغزش،خطا وغیرہ الفاظ اس منزل میں نہیں،جس منزل میں لفظ غلطی ہے۔لغوی اور عرفی ہر طور پر فرق ہے۔اب تو عرف کی بھی ایک جدید تقسیم کرنی ہوگی،یعنی عرف حقیقی اور عرف مجعولی۔اب یہ تحقیق کی جائے کہ عرف حقیقی میں اہل فضل کے واسطے لفظ خطا کا استعمال معیوب ہے یا عرف مجعولی میں؟

مسئلہ حاضرہ میں لفظ خطا کے مطلق استعمال کو علمائے اہل سنت ناپسند کرتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ متکلم کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ بہت سے علما متکلم کے قول کو تعبیری خطا قرار دیتے ہیں۔

جن تحریروں میں بتایا گیا کہ لفظ خطا کا استعمال بے ادبی یا ضلالت وگمرہی ہے، وہ تحریریں اس منزل میں نہیں کہ ان پر اعتماد کیا جائے۔ ماوشما سے خطا ممکن ہے: واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

سوال:

بالفرض اگر اہل فضل کے لیے لفظ خطا کا استعمال بے ادبی اور جرم ہے تو قتل اس سے بڑھ کر بے ادبی اور بہت بڑا جرم ہے۔ متکلم موصوف اہل سنت سے خارج ہیں تو وہ صحابہ کرام جو قتل عثمانی کی تحریک میں شریک تھے، وہ اہل سنت سے خارج ہیں؟ یا صرف ذنب کبیر کے مرتکب ہیں؟ یا کچھ بھی نہیں؟

ایک جعلی خط کے سبب ایسی نوبت پیش آئی اور بلوائیوں نے اپنے فریب میں اہل خیر کو مبتلا کر لیا۔

واضح رہے کہ یہ ایک سوال ہے۔ اس کی عمدہ سے عمدہ تعبیر جو ممکن ہو، وہ مجھے تسلیم ہے۔ ابھی ایسی فضا قائم کر دی گئی ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کون سے لفظ کو پکڑ کر گھسیٹ لیا جائے۔ ایک مسئلہ کی تحقیق کے ضمن میں یہ سوال رقم کیا، ورنہ مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔

طارق انور مصباحی

جاری کردہ: 12: اگست 2020

☆☆☆☆☆

(۱۰)

مبسملا وحامدا::ومصلیا ومسلما

اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟

(قسط اول)

دو سال قبل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق اختلاف شروع ہوا تو ہم نے اس میں کوئی حصہ نہیں لیا، کیوں کہ اس بارے میں اسلاف کرام کے صریح اقوال موجود تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں، اس لیے ان کی شان میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں ہوسکتا جو صحابہ کرام کی شان کے لائق نہ ہو۔

اہل فضل کے لیے لفظ خطا کے استعمال پر اختلاف شروع ہوا تو ہم اس امید میں تھے کہ جلد ہی یہ معاملہ ختم ہو جائے گا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ متکلم کو اہل سنت وجماعت سے خارج بتایا جانے لگا ہے تو ہم نے 18: جولائی 2020 کو ایک مختصر سی تحریر جاری کی کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس بارے میں کچھ تحریر کروں گا۔

مذکورہ خبر سن کر یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ اسلامی اصول وضوابط کا غیر مناسب استعمال کیا جا رہا ہے، اور لفظ خطا کا حکم بیان کرنے میں خطا ہو رہی ہے، کیوں کہ اس لفظ کا حکم کہیں مذکور نہیں تو ہر ایک محقق اپنی تحقیق کے مطابق حکم بیان کر رہے ہیں۔ ان متخالف اقوال میں تمام اقوال حق نہیں ہوسکتے۔

متکلم کے بیان اول میں لفظ خطا کا مطلق استعمال اور پھر خطائے اجتہادی سے اپنی مراد بیان کر دینے کے

بعد مسئلہ اس منزل میں باقی نہیں رہتا کہ متکلم کو اہل سنت و جماعت سے خارج کر دیا جائے۔

20: جولائی 2020 کو متکلم موصوف کو گرفتار کر لیا گیا۔جس کا ہمیں بہت افسوس ہے۔اس حادثے سے بالکل واضح ہو گیا کہ اسلامی اصول وقوانین کا غیر محل میں استعمال کیا جا رہا ہے اور غیر مجرم کو مجرم ثابت کیا جا رہا ہے ،خواہ یہ امر شعوری طور پر ہو، یا لاشعوری طور پر۔ میری تحریروں سے مقصود متکلم کا دفاع نہیں، بلکہ مذہب اسلام اور مسلک اہل سنت و جماعت کا تحفظ ہے۔

26: جولائی 2020 کو ’’ڈاکٹر جلالی اور اصحاب جلال وکمال‘‘ کے عنوان سے ہم نے اپنا مضمون سوشل میڈیا پر جاری کیا۔قسط دوم میں امکان ذاتی اور امکان وقوعی کی توضیح سے متعلق ہم نے متکلم کی توضیح کو تسلیم نہ کیا اور متکلم سے اس پر نظر ثانی کی درخواست کی۔اسی طرح قسط اول میں آغاز بحث سے قبل ہی متکلم سے مشروط توبہ ورجوع کی گزارش کی۔قسط سوم میں بھی اس کا اعادہ کیا۔

بیان اول کے بعد متکلم نے توضیح وتشریح کے طور پر متعدد بیانات جاری کیے۔ان توضیحی بیانات میں بعض باتیں تشریح طلب ہیں۔اسی طرح فریق دوم کی تحقیق وتحریر میں بھی بعض امور تشریح طلب ہیں۔

اگر خود میری تحریر میں بھی کوئی بات تشریح طلب ہو تو ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور توضیح پیش کروں گا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق صالح عطا فرمائے:(آمین)

چوں کہ اہل فضل کے لیے لفظ خطا کے استعمال کا حکم اسلامی کتابوں میں صریح طور پر مذکور نہیں تو ہر فریق اصول وضوابط کی روشنی میں جواب تلاش کرے گا،اس لیے سوالوں کے ذریعہ اسلامی اصول وضوابط کے محل استعمال کی جانب متوجہ کرنا مقصود ہے۔مستقبل میں بھی اس طرح کے مسائل درپیش ہو سکتے ہیں۔

جن جدید امور کا صریح حکم اسلامی کتابوں میں مذکور نہ ہو تو شرعی اصول وقوانین کی روشنی میں ان مسائل کو حل کرنا ہوگا۔اس طریق کار میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ اصول کا استعمال برمحل ہے، یا بے محل؟

مسئلہ حاضرہ کی مناسبت سے چند سوالات مندرجہ ذیل ہیں۔

سوال اول:

حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو چادر تطہیر حاصل ہے۔دونوں شہزادگان عالی مرتبت پنجتن پاک کے زمرہ میں شامل ہیں۔دونوں شہزادگان کرام کا شمار صحابہ کرام میں ہے۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں شہزادگان گرامی کی محبت کو اپنی محبت،اور ان دونوں سے دشمنی کو اپنی ذات مبارک سے دشمنی قرار دیا ۔ان دونوں بلند مرتبہ شہزادگان کرام کو اپنا بیٹا قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ میری نسل ان دونوں سے جاری ہوگی۔

دونوں شہزادگان عظام جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ان کے علاوہ بہت سے فضائل ومناقب احادیث طیبہ میں موجود ہیں۔دونوں شہزادگان والا درجات اپنے اپنے عہد میں قطب اکبر کی منزل میں فائز ہیں۔

سب وشتم ،طعن وتشنیع ،زدوکوب ،تذلیل وتحقیر وغیرہ سے بڑھ کر بے ادبی قتل کا جرم ہے۔

سید الشہدا حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میدان کربلا میں اتمام حجت فرما دیا تھا۔یہاں تک کہ یزیدی لشکر کے اولین سپہ سالار حربن یزید تمیمی یزیدی فوج سے الگ ہو کر حسینی جماعت میں شریک ہو گئے تھے۔حق اور باطل بالکل واضح ہو چکا تھا۔ان سب حقائق کے باوجود محض دولت وحکومت کے لالچ میں یزیدیوں نے ظلم کے طور پر امام الشہدا حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔

سوال ہے کہ مذکورہ بالا حقائق کے مدنظر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدکردار قاتلین مثلاً شمر بن ذی الجوشن، خولی بن یزید اصبحی، سپہ سالار عمرو بن سعد، حاکم کوفہ عبید اللہ بن زیاد وغیرہم اہل سنت سے خارج ہیں یا نہیں؟ یا صرف فاسق وفاجر اور گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں؟

میدان کربلا میں اتمام حجت کے سبب حق وباطل واضح تھا اور سید مظلوم حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں اور صحابی کی بے ادبی کا حکم عام مومنین کی بے ادبی کے حکم سے زیادہ سخت ہے۔قتل سے بڑھ بے ادبی کیا ہوسکتی ہے، پھر اس قتل کا کیا حکم ہے؟

چوں کہ یہ معاملہ صدی اول کا ہے۔حادثہ کربلا 10؍محرم الحرام 61 سال ہجری کو پیش آیا،اس لیے اسلاف کرام کی تحریروں سے جواب دیا جائے۔اہل سنت وجماعت کا متفق علیہ قول بیان کیا جائے۔اگر اختلاف ہوتو راجح قول بیان کیا جائے۔خود سے اصول وقوانین کو منطبق کر کے جواب نہ دیں۔

خیال رہے کہ یزید پلید کے بارے میں سوال نہیں ہے، بلکہ میدان کربلا میں جو قاتلین تھے،ان اشقیا وظالمین سے متعلق سوال ہے۔

سوال دوم: محتمل لفظ اور صریح لفظ کے احکام الگ ہیں یا ایک ہی ہیں؟

کیا صریح لفظ کے احکام کو محتمل لفظ پر منطبق کیا جا سکتا ہے؟

مسلک دیوبند کے اشخاص اربعہ کے کلام کفری معنی میں صریح متعین ہیں۔

لفظ خطا محتمل ہے تو متعین کلام کے احکام محتمل لفظ پر کیسے منطبق ہوسکتے ہیں؟

سوال سوم: لفظ خطا محتمل ہے یا صریح؟

طارق انور مصباحی

جاری کردہ؛14:اگست 2020

☆☆☆☆☆

(۱۱)

مبسملا وحامدا::ومصلیا ومسلما

اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟

(قسط دوم)

معصوم عن الخطا اور محفوظ عن الخطا گناہ ومعصیت سے معصوم ومحفوظ ہوتے ہیں۔یہاں خطا سے گناہ کی دونوں قسمیں مراد ہیں،یعنی کبیرہ وصغیرہ دونوں سے معصوم ومحفوظ ہوتے ہیں۔صغیرہ میں قصد وبلا قصد اور منفرہ وغیر منفرہ وغیرہ کی تفصیل اور کچھ اختلاف ہے۔

اصحاب فضل کے لیے لفظ خطا کا استعمال حرام قطعی بالکل نہیں ہے۔حرام قطعی ضروریات دین میں سے ہوتا ہے۔اس کے لیے قطعی بالمعنی الاخص دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔

شراب نوشی حرام قطعی اور ضروریات دین سے ہے۔اگر کوئی شراب نوشی کو حرام مانتا ہو،اور شراب نوشی بھی

کرتا ہو،لیکن چھپ کر پیتا ہوتو مومن اور فاسق ہے،لیکن فاسق معلن نہیں۔اگر شراب نوشی کوحرام مانتا ہے اور شراب نوشی بھی کرتا ہےاوراعلانیہ شراب نوشی کرتا ہےتو وہ فاسق معلن ہے،لیکن گمراہ یا کافر نہیں۔

اہل فضل کے لیے لفظ خطا کے استعمال کے عدم جواز پر نہ کوئی قطعی بالمعنی الاخص دلیل موجود ہے،نہ کوئی قطعی بالمعنی الاعم دلیل، بلکہ کوئی صحیح حدیث بھی موجود نہیں۔فقہائے کرام کی بھی صراحت موجود نہیں۔

اس کے باوجود اہل فضل کے لیے لفظ خطا کے استعمال کو بعض محققین نے ضلالت وگمرہی اور اہل سنت سے خروج کا سبب ثابت فرمادیا۔خطا سے بڑھ کر لفظ "سیئہ" ہے۔اہل فضل کے لیے اس کے استعمال کا حکم بھی بتادیا جائے،کیوں کہ اہل علم دہراتے رہتے ہیں: حسنات الابرار سیئات المقربین

یہ مشائخ صوفیا علیہم الرحمۃ والرضوان سے منقول ہے۔اس میں حسنہ کو سیئہ کہا گیا،یعنی معصیت وگناہ کہا گیا اور اس کی نسبت مقربین کی طرف کی گئی ہے۔مقربین میں لغوی طور پر تو ہر بندہ مقرب شامل ہے۔عرف میں تمام اولیائے کرام کو یہ لفظ شامل ہوتا ہے۔

اگر کسی لفظ سے بے ادبی سمجھ میں آتی ہو تو بے ادبی کے مختلف درجات ہیں۔بعض بے ادبی کفر،بعض ضلالت وگمرہی،بعض حرام،اور بعض حرام سے بھی نیچے ہے۔اہل فضل کے لیے لفظ خطا کے استعمال کو بے ادبی ثابت کرنے کے لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ایک روایت کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے،لیکن کوئی فقہی یا کلامی جزئیہ پیش نہیں کیا گیا ہے۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ایک حدیث مختلف الفاظ میں مروی ہے،لیکن وہ حدیث محدثین کے یہاں صحیح نہیں۔وہ حدیث مندرجہ ذیل ہے۔

1:{عن معاذ بن جبل:ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لما اراد ان یسرح معاذًا الی الیمن.استشار ناسا من اصحابه–فیهم ابو بکر وعمر وعثمان وعلی وطلحه والزبیر واسید بن حضیر فاستشارهم–فقال ابو بکر:لو لا انک استشرتنا،ما تکلمنا.

فقال:انی فیما لم یوح اِلَیَّ کاحدکم–قال:فتکلم القوم،فتکلم کل انسان برأیه.

فقال:ما تری یا معاذ؟ قال:اری ما قال ابو بکر.فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم:ان اللّٰہ عز وجل یکره فوق سمائه ان یُخَطَّأَ ابو بکر رضی اللّٰہ عنه}

(الطبرانی فی الکبیر۔مسند الشامیین۔المسند للشاشی)

یہ روایت ابوالعطوف راوی کی وجہ سے درجہ صحت کو نہیں پہنچتی۔بعض نے اس کو موضوع کہا ہے۔

2:ان اللّٰہ یکره فی السماء ان یخطئ ابو بکر الصدیق فی الارض۔

اس روایت کو محدث ابن جوزی حنبلی نے موضوع قرار دیا ہے۔اگر بالفرض مذکورہ بالا روایت کو قابل استدلال مان لیا جائے تو مندرجہ ذیل سوالات بھی اس سے منسلک ہوں گے۔

سوال اول:

جس روایت میں مصدر خطا کا معروف صیغہ استعمال ہوا۔اس کا مفہوم یہ ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خطا نہیں ہوگی۔اس سے یہ کیسے ثابت ہوگا کہ دوسرے غیر معصومین سے بھی خطا نہیں ہوگی؟

یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیت ہوسکتی ہے،بلکہ یہی ظاہر ہے،کیوں کہ اس مجلس میں دیگر محفوظین عن الخطا موجود ہیں۔اس کے باوجود عدم خطا کی نسبت کسی ایک کی جانب کرنا تخصیص کو ظاہر کرتا ہے

کہ اس امر میں صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطا سے محفوظ ہیں۔ یہ ایک مشاورتی معاملہ تھا۔

دوسری بات یہ بھی واضح ہے کہ یہاں اس خطا کا ذکر ہے،جس سے محفوظین عن الخطا محفوظ نہیں ہیں۔

جس خطا سے محفوظین بفضل الٰہی محفوظ کردیئے گئے ہیں،اس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر تمام محفوظین شریک ہوں گے، پھر اس امر میں کسی ایک محفوظ کی تخصیص کا کوئی معنی نہیں۔

اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تخصیص نہ مانی جائے تو عدم تخصیص کی وجہ بیان کرنی ہوگی۔

اگر تخصیص مانی جائے تو اس روایت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جس خطا سے محفوظین محفوظ نہیں ہیں، وہ دیگر کے حق میں قابل صدور ہو،اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ناقابل صدور ہو۔

جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں تخصیص مان لی جائے تو یہاں دوصورت ہوگی۔

اول یہ کہ خاص مذکورہ مشاورتی امر میں خطا سے محفوظ ہونا مراد ہو،اور یہی ظاہر ہے۔

دوسری صورت یہ کہ ہر امر میں ہر قسم کی خطا سے محفوظ ہونا مراد ہو،اور یہ محل نظر ہے۔

خاص مذکورہ مشاورتی امر میں عدم خطا مراد ہوتو اس مشاورتی امر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رفق بالناس یعنی لوگوں کے ساتھ نرمی اختیار کرنے کا مشورہ دیا تھا، جیسا کہ مسند الشاشی کی روایت میں اس کی صراحت ہے۔ یہاں عدم خطا کا مفہوم یہ ہوگا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشورہ صحیح ہے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حاکم بن کر یمن جارہے ہیں، وہ لوگوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کریں اور یہی اللہ تعالیٰ کو بھی پسند ہے۔

کیا یہاں دوسری صورت مراد ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہر قسم کی خطا سے محفوظ فرمادیا ہے؟ دراصل یہ مسئلہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان محفوظ غیر معصوم کو ہر قسم کی خطا یعنی سہو ونسیان ،زلت ولغزش، بھول چوک اوراجتہادی خطاوغیرہ سب سے محفوظ فرمادیا ہو۔ یہ محل تحقیق ہے۔

حضرات ملائکہ کرام علیہم السلام سہو ونسیان اورغفلت وسستی سے بھی پاک رکھے گئے ہیں۔ بنی آدم کے معصومین ذاتی امور میں سہو ونسیان سے معصوم نہیں۔ کسی انسان محفوظ غیر معصوم کو ہر قسم کی خطا سے محفوظ رکھنا رحمت الٰہی سے بعید نہیں اور قدرت الٰہی سے خارج نہیں، لیکن کسی ایسی روایت کے سبب یہ عقیدہ بنالینا بالکل صحیح نہیں جو محدثین کے یہاں صحیح بھی نہ ہو، بلکہ اہل علم جس کے موضوع ہونے کی صراحت کرتے ہوں۔

دوسری بات یہ کہ حضرات اولوالعزم انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں سہو ونسیان اور اس نوع کے امور کا ذکر ملتا ہے، جو نہ گناہ صغیرہ ہیں، نہ گناہ کبیرہ، بلکہ محض سہو ونسیان ہیں۔ ایسی صورت میں کسی انسان محفوظ غیر معصوم کا ہر قسم کی خطا سے محفوظ ہونا قابل تحقیق ہے۔ کسی انسان غیر معصوم کو اس صفت کے عطا ہونے کا جواز اور عطا کا وقوع محل نظر ہے۔

بعض امور کا شمار بشری تقاضوں میں ہوتا ہے۔

مشہور مقولہ ہے:{الانسان مرکب من الخطاء والنسیان}

حضور اقدس سید المعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنے ذاتی عمل میں سہو ونسیان ثابت ہے۔ درحقیقت عصمت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حفاظت محفوظین کے مفہوم میں سہو ونسیان وغیرہ امور سے عصمت وحفاظت کا مفہوم شامل نہیں۔ نہ ہی نادر طور پر سہو ونسیان وغیرہ امور کا صدور معیوب ہے، نہ ہی ان امور

کا شمار گناہ میں ہے۔ ہاں، امور تبلیغیہ میں حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سہو ونسیان سے معصوم ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کرنے کا مشورہ دیا تھا۔اس کو قبول فرمایا گیا اور نافذ کیا گیا۔حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشورہ قیدیوں کو قتل کرنے کا تھا۔اس کو قبول نہیں فرمایا گیا۔

رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں فدیہ لے کر آزادی دینے کی تائید نہیں فرمائی۔اس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔اب یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر قسم کی خطا سے محفوظ ہیں۔

حضرات اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو روافض نے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام سے بھی افضل بتا دیا ہے۔مذہب اہل سنت و جماعت افراط وتفریط سے پاک ہے۔نہ کوئی ایسی بات کی جائے جو اصحاب عظمت کی شان کے خلاف ہو، نہ ہی کوئی ایسی تاویل وتشریح کی جائے جو شریعت کے خلاف ہو۔

ہمارے ان مضامین میں اہل فضل سے متعلق بعض امور کا ذکر محض مسئلہ شرعیہ کی تحقیق کی حاجت کے سبب ہو جاتا ہے، ورنہ ذکر کی حاجت نہیں۔یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معبود بنا لیا تھا تو حکم ربانی قرآن مجید میں آیا کہ زبان اقدس سے اعلان فرمادیں کہ میں ایک بشر ہوں:

{قل انما انا بشر مثلکم}(سورہ کہف:آیت 110)

اس اعلان سے مقصود یہی تھا کہ نبی کو نبی اور خدا کو خدا سمجھا جائے اور جس کا جو مقام اللہ ورسول (عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے بیان فرمایا، بندگان الٰہی اسی پر قائم رہیں۔

سوال دوم:

مجہول صیغہ کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاطی قرار دینا رب تعالیٰ کو ناپسند ہے ۔خواہ خاطی قرار دینا لفظ خطا کے ذریعہ ہو، یا دیگر الفاظ کے ذریعہ خاطی قرار دیا جائے۔

اس روایت سے صریح طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف لفظ خطا کی نسبت نہ کی جائے، بلکہ ان کو خاطی قرار دینے پر اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدگی کا ذکر ہے۔

وہاں لفظ خطا کی نسبت اور استعمال کی بحث نہیں تھی، بلکہ مشورہ میں خاطی قرار دینے کی بات ہو سکتی تھی۔

کسی کو کسی امر میں خاطی قرار دینے کے لیے لفظ خاطی کے علاوہ متعدد الفاظ استعمال ہو سکتے ہیں، مثلاً زید کا مشورہ غیر صحیح ہے، غیر صواب ہے، فاسد ہے، باطل ہے، ہالک ہے، نقصان دہ ہے، عقل کے خلاف ہے۔بد عقلی پر مبنی ہے، احمقانہ فیصلہ ہے، وغیرہ۔کسی کے مشورہ کو عملی طور پر خطا قرار دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو قبول نہ کیا جائے، بلکہ اس کے متضاد ومتخالف مشورہ کو قبول کیا جائے۔

منقولہ بالا روایت سے خاطی قرار دینے کا عدم جواز بھی صریح طور پر ثابت نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہر ناپسندیدہ امر کا ناجائز ہونا لازم نہیں۔

سوال سوم:

ممکن ہے کہ اس بات کا تعلق اس وقت کے مذکورہ مشاورتی معاملہ سے ہو۔دیگر امور سے اس کا تعلق نہ ہو۔وہ اس طرح کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعہ معلوم ہو چکا ہو کہ حضرت

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مشورہ میں صحیح ہیں،اسی لیے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہوکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کواس مشاورتی امر میں غیر صحیح (خاطی) قرار دینا رب تعالیٰ کو پسند نہیں۔

سوال چہارم:

حدیث مذکور میں خطا سے کون سا معنی مراد ہے؟عربی زبان میں بھی لفظ خطا مشترک ہے۔مشترک کے تمام معانی ایک ساتھ مراد نہیں ہوتے۔اگر مذکورہ مشاورتی امر کوملحوظ رکھا جائے تو یہاں خطا سے بھول چوک،سہو ونسیان مراد ہوگا۔یہاں نہ اجتہاد تھا،نہ خطائے اجتہادی مراد ہوگی۔

سوال پنجم:

اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف خطا کی نسبت کسی بھی امر میں کی جائے تو یہ رب تعالیٰ کو ناپسند ہے تو یہ امر دیگر اہل فضل کے لیے ثابت ہوگا یا نہیں؟

یا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخصوص فضائل میں شمار ہوگا؟

مثلاً رب تعالیٰ فرمادے کہ میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک نیکی پر ایک ہزار ثواب دوں گا تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوگا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ایک نیکی پر ایک ہزار یا پانچ سو ثواب ملے گا؟

سوال ششم؛

کیا عربی زبان اور اردو زبان میں لفظ خطا کے معانی یکساں ہیں؟

کیا حکم شرعی میں اردو زبان اور اہل اردو کے عرف کا لحاظ نہیں ہوگا؟

سوال ہفتم:

خلیفہ اول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کسی نے خطا کی نسبت کی تو یہ بے ادبی ہے، یا کذب بیانی؟یا دونوں ہے؟

جب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف خطا کی نسبت کو ناپسند فرمایا تو اس کا ایک مفہوم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطا سے محفوظ فرمادیا ہے تو جو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب خطا کی نسبت کرے،وہ کذب بیانی کررہا ہے،اور خلاف واقع وخلاف حقیقت بات بول رہا ہے۔یہی کذب ہے۔

جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین بیٹے ہوں اور کسی کو صحیح سے معلوم ہو کہ آپ کے تین بیٹے ہیں،لیکن وہ کہتا ہے کہ دو ہی بیٹے تھے تو یہ کذب بیانی ہے۔یہاں بے ادبی کا مفہوم ظاہر نہیں ہوتا۔

سوال ہشتم:

اگر مذکورہ روایت کے سبب دیگر اہل فضل کے لیے بھی لفظ خطا کو ممنوع تسلیم کرلیا جائے تو اہل فضل کی طرف لفظ خطا کی نسبت مکروہ تحریمی ہوگی یا مکروہ تنزیہی؟یا اسائت یا خلاف اولیٰ؟یا مباح وناپسندیدہ؟

ہر ناپسندیدہ امر غیر مباح وناجائز نہیں ہوتا۔

طلاق کو ابغض المباحات کہا گیا ہے۔طلاق کے بارے میں حدیث شریف میں وارد ہے۔

{ان من ابغض الحلال الی اللہ الطلاق}

محدث علامہ علی قاری حنفی علیہ الرحمہ نے رقم فرمایا:**{ان ابغض المباحات الی اللہ عند اللہ الطلاق–فنص علیٰ اباحتہ و کونہ مبغوضًا–وھو لا یستلزم ترتب لازم المکروہ الشرعی–**

الا لو کان مکروهًا بالمعنی الاصطلاحی}(مرقات المفاتیح جلد دہم ص216-مکتبہ شاملہ)

اس مقام پر علامہ علی قاری نے متعدد ایسے امور کو بیان فرمایا ہے جو رب تعالیٰ کے یہاں مبغوض اور ناپسندیدہ ہیں،لیکن شریعت خداوندی میں جائز ہیں۔جب کوئی امر جائز ہے تو اس کا مرتکب گنہ گار بھی نہیں ہوگا۔گمراہ یا کافر ہونا بہت دور کی بات ہے۔سوال یہ ہے کہ جو امر اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو،لیکن جائز ہو تو اس کا مرتکب گنہ گار نہیں تو پھر جو امر بندوں کو ناپسند ہو،لیکن شریعت میں جائز ہو تو اس کا مرتکب گنہ گار کیسے ہوگا؟

حضرات اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کا وہ طبقہ جو فرقہ ملامتیہ میں شمار ہوتا ہے۔حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ العزیز نے ''کشف المحجوب'' میں اس طبقے کا ذکر فرمایا ہے۔اس طبقے کے اولیائے کرام کسی مقصد کی خاطر ایسے اعمال انجام دیتے ہیں جو شریعت میں جائز ہیں،لیکن عام مومنین کو پسند نہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ حج کے بعد رمضان کے مہینے میں واپس آ رہے تھے۔کسی شہر کے حاکم کو حضرت کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنے اعوان وانصار،لشکر وافواج اور اہل شہر کے ساتھ حضرت کے استقبال کے لیے شہر کے باہر کھڑے تھے۔اللہ کے ولی نے سوچا کہ جب لوگ اس طرح میرا شاہانہ استقبال کریں گے تو نفس خوش ہو جائے گا اور پھر وہ مجھے غلط راہ پر ڈال سکتا ہے۔وہ جب استقبال کرنے والے مجمع کے قریب آئے تو اپنی جھولی سے روٹی کے ٹکڑے نکالے اور کھانے لگے۔یہ دیکھ کر عقیدت مندوں کا ہجوم غائب ہونے لگا۔

چوں کہ وہ مسافر تھے تو ان کے لیے حالت سفر میں رخصت کا حکم تھا اور یہاں نفس کشی کی ضرورت تھی، کیوں کہ نفس کشی اولیائے کرام کا بہت قیمتی سرمایہ ہوتا ہے۔یہاں گرچہ رمضان میں روٹی کھانا ان ولی کے جائز تھا،لیکن عقیدت مندوں کو پسند نہ آیا اور یکے بعد دیگرے لوگ غائب ہوتے گئے۔اس بزرگ کو بھی نفس کشی کی ضرورت تھی۔شرعی طور پر نہ عقیدت مندوں پر کوئی الزام ہے،نہ اس ولی اللہ پر کوئی الزام:واللہ تعالیٰ اعلم

اگر لفظ خطا کے استعمال سے متعلق کوئی فقہی جزئیہ مل جائے تو سب سے بہتر ہے۔غیر منصوص مسائل میں فقہائے کرام کو تحقیق کا حق حاصل ہے،لیکن اس تحقیق پر جو سوالات وارد ہوں گے،ان کے جواب بھی دینے ہوں گے۔ان شاء اللہ تعالیٰ مزید سوالات مرقوم ہوں گے۔جو اصل موضوع سے ہی متعلق ہوں گے۔

طارق انور مصباحی

جاری کردہ؛18:اگست 2020

☆☆☆☆☆

حاشیہ:امام احمد رضا قادری نے منقولہ بالا حدیث سے کذب مراد لیا ہے،اور اس کا مصداق اعاظم صدیقین کو بتایا ہے،یعنی اکابر صدیقین سہو وخطا کے طور پر بھی کذب سے محفوظ ہوتے ہیں۔امام احمد رضا قدس سرہ القوی کی تشریح کے مطابق یہاں خطا سے ہر قسم کی خطا مراد نہیں، بلکہ کذب مراد ہے۔

امام احمد رضا نے رقم فرمایا:''اقول وباللہ التوفیق:صدق قائل کے لیے درجات ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۱۵ص ۳۵۶-جامعہ نظامیہ لاہور)

امام احمد رضا نے صدق کے درجہ پنجم کی تشریح میں رقم فرمایا:''درجہ ۵:اللہ عزوجل سہواً وخطاً بھی کذب سے محفوظ رکھے،مگر امکان وقوعی باقی ہو،یہ مرتبہ اعاظم صدیقین کا ہے کہ:

ان اللّٰہ تعالیٰ یکرہ فوق سمائہ ان یخطأ ابو بکر الصدیق فی الارض-رواہ الطبرانی

فی المعجم الکبیر والحارث فی مسندہ–وابن شاھین فی السنۃ عن معاذبن جبل رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم‘‘۔(فتاویٰ رضویہ جلد۱۵ص ۳۵۸-جامعہ نظامیہ لاہور)

طارق انور مصباحی

☆☆☆☆☆

(۱۲)

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ

اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟

(قسط سوم)

کسی اسلامی مسئلہ کی تحقیق کے واسطے غیر اسلامی ماحول کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا ہے۔آج کل ہر معتقد اپنے مرکز عقیدت کو خطا سے محفوظ سمجھتا ہے۔اگر میرے چند ہزار مریدین ہوں۔ان کے دلوں میں میری عقیدت مستحکم ہوتو اگر کوئی بول دے کہ حضرت سے فلاں مسئلہ میں خطا ہوگئی تو بھی میرے عقیدت مند مریدین ناراض ہو جائیں گےاور اگر کہا جائے کہ حضرت نے جوفلاں مسئلہ بیان کیا،وہ غیر صحیح ہے تو بھی لوگ ناراض ہوں گے۔

درحقیقت یہاں لفظ کی بات نہیں ہے کہ آپ نے لفظ خطا کا استعمال کیا ہے،یا لفظ غیر صحیح کا استعمال ہوا ہے۔لوگ مجھے خطا سے محفوظ سمجھ بیٹھے ہیں۔اب کسی لفظ سے بھی یہ ظاہر ہوجائے کہ حضرت کی جانب عدم صحت کی نسبت ہورہی ہے تو ناراضگی یقینی ہے۔ایسے خلاف اسلام ماحول کو کسی اسلامی وشرعی مسئلہ کی تحقیق کے لیے بنیاد بنانا کیوں کر صحیح ہوگا۔جومثال میں نے پیش کی ہے،وہ عہد حاضر کے کسی شیخ وبزرگ کے حق میں عملی طور پر انجام دے کر دیکھ لیں۔تو تو میں میں سے معاملہ آگے بڑھ کر ہاتھا پائی تک آ جائے گی،بلکہ ہتک عزت کا مقدمہ بھی دائر ہوسکتا ہے۔

جو محققین غیر معصومین کے لیے لفظ خطا کے استعمال کو بہر صورت بے ادبی اور گمرہی قرار دیں،خواہ متکلم کی مراد خطا سے گناہ ومعصیت ہو،یا خطائے اجتہادی،یا بھول چوک ہو۔دراصل ان نفوس عالیہ نے اپنی تحقیق کی بنیاد اسی خلاف شرع ماحول پر رکھی ہے۔دراصل جس عرف پر مسئلہ کی تحقیق کی بنیاد ہو،پہلے اس عرف کی تحقیق کرنی ہوگی۔

سچ تو یہ ہے کہ معصومین کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت ہوئی ہے۔جماعت معصومین میں حضرات ملائکہ علیہم السلام سہوونسیان سے پاک ہیں،لیکن فکری عدم صحت ان کے حق میں بھی ثابت ہے۔خواہ اس کو اجتہادی خطا کہیں یا کسی بھی مہذب لفظ سے تعبیر کرلیں۔

چوں کہ یہ شبہہ موجود ہے کہ کوئی کم عقل انسان ایسے امور کو نقص شان سمجھے،اس لیے عام حالات میں ان امور کا ذکر شرعاً ممنوع قرار دیا گیا ہے۔مسائل شرعیہ کی تحقیق ایک شرعی حاجت ہے۔اسی طرح کسی کی گمرہی وضلالت کا رد بھی ایک شرعی حاجت ہے۔ایسے مواقع پر ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔

سلطان عالمگیر اورنگ زیب کے استاذ ملا احمد جیون نے رقم فرمایا:

{وقد وقعت فی زمان داؤد وسليمان عليهما السلام حادثة رعی الغنم حرث قوم، فحكم داؤد عليه السلام بشئ واخطأ فيه–وسليمان عليه السلام بشئ آخر–واصاب فيه–فيقول اللّٰه تعالی حكاية عنهما:((ففهمناها سليمان وكلا آتينا حكما وعلما))ای ففهمنا تلک الفتوی سليمان آخرالامر–وكل واحد من داؤد وسليمان آتينا حكما وعلما فی ابتداء المقدمات–فعلم من قوله:((ففهمناها)ان المجتهد يخطئ ويصب}

(نورالانوار جلد دوم ص304-دارالکتب العلمیہ بیروت)

صدرالافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی نے سورہ بقرہ: آیت 36 کے حاشیہ میں تحریر فرمایا:''یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے اجتہاد میں خطا ہوئی،اور خطائے اجتہادی معصیت نہیں ہوتی''۔(خزائن العرفان)

حضرات ملائکہ علیہم السلام اور قوم جن سے فکری عدم صحت کا ثبوت ہے۔جن امور کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرما دی ہو،وہ یقیناً صحیح نہیں۔خواہ اس کو خطا سے تعبیر کیا جائے،یا کسی اور امر سے تعبیر کیا جائے۔

مسئلہ شرعیہ کی تحقیق کے واسطے یہ امور نقل کیے جا رہے ہیں،نہ کہ اپنی یا کسی کی بات کو درست قرار دینے کے واسطے،پس عام حالات میں جو ممانعت ہے،اس کا اطلاق اس مقام پر نہیں ہوگا۔

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق کے وقت حضرات ملائکہ علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ نے مشورہ فرمایا۔ فرشتوں نے زمین میں پہلے سے آباد قوم جن کی شرارت کو دیکھ کر عرض کیا تھا کہ یہ نئی مخلوق(بعض اولاد آدم) کا حال بھی وہی ہوگا،جو قوم جن کا حال ہے۔

قرآن مجید میں ہے:(قالوا اَتجعل فيها من يفسد فيها ويسفک الدماء)

(سورہ بقرہ: آیت 30)

یہ معلومات کی روشنی میں مجہولات کو حاصل کرنے کی کوشش تھی۔گرچہ انہیں غیبی علم نہ تھا کہ مخلوق جدید کا کیا حال ہوگا۔حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ السلام کی تخلیق سے قبل قوم جن کو زمین میں آباد کیا گیا تھا۔اس قوم نے زمین میں فتنہ وفساد پھیلایا،قتل وقتال اور خون ریزی کی۔

قوم جن کے حالات دیکھ کر حضرات ملائکہ علیہم السلام نے یہ بات کہی تھی۔منطق کی زبان میں اس کو قیاس کہا جاتا ہے۔چوں کہ یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں کہ اس کو اجتہاد کا نام دیا جائے۔اللہ تعالیٰ نے اس قیاس کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:(انی اعلم ما لا تعلمون)(سورہ بقرہ: آیت 30)

اسی طرح حضرات ملائکہ علیہم السلام نے یہ بھی قیاس کیا تھا کہ نئی مخلوق کو ہماری طرح علم نہیں ہوگا،کیوں کہ ہم لوگ ان سے پہلے ہیں۔یہ حضرات ملائکہ علیہم السلام کا قیاس تھا،اور یہ ان کی باہمی گفتگو تھی۔اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ السلام کو حضرات ملائکہ علیہم السلام سے زیادہ علم عطا فرمایا،تمام چیزوں کے نام بتائے اور ملائکہ علیہم السلام سے ان چیزوں کے نام دریافت فرمائے۔حضرات ملائکہ علیہم السلام کو ان اشیا کے ناموں کا علم عطا نہیں فرمایا گیا تھا تو انہوں نے معذرت خواہی کر لی۔اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا:

(وعلم آدم الاسماء كلها ثم عرضهم علی الملائكة فقال انبئونی باسماء هٰؤلاء ان كنتم صدقين::قالوا سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العليم الحكيم)

(سورہ بقرہ: آیت 32,31)

اللہ تعالیٰ نے ’’ان کنتم صدقین‘‘ فرما کر مذکورہ بالا قیاس کی تردید فرمائی ۔چوں کہ مذکورہ مسئلہ کا تعلق اعتقادیات سے ہے تو حضرات ملائکہ علیہم السلام کے اس امر کو اجتہاد کہا جا سکتا ہے۔

شیطان کو معلوم تھا کہ وہ آگ سے پیدا ہوا،اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام مٹی سے پیدا ہوئے ۔اسی کی روشنی میں ابلیس نے قیاس کیا کہ آگ سے پیدا ہونے والا افضل ہوگا ،لہٰذا میں افضل ہوں ۔اسی قیاس کے سبب شیطان نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ نہیں کیا ۔قرآن مجید میں اس اقعہ کا ذکر متعدد سورتوں میں ہے۔شیطان نے قیاس بھی کیا اور قیاس میں غلطی بھی کی ۔

قرآن مجید میں ہے:(انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین)(سورہ اعراف: آیت 12)

اللہ تعالیٰ نے عزازیل کے قیاس کو غلط قرار دیا۔چوں کہ شیطان نے اپنے قیاس کو صحیح سمجھا اور حکم خداوندی کی تغلیط کی تھی،اس لیے وہ کافر قرار پایا اور دربار الٰہی سے نکال دیا گیا۔

منقولہ بالا آیات طیبہ سے حضرات ملائکہ علیہم السلام اور قوم جن کے قیاس یا اجتہاد کا غیر صحیح ہونا فرمان خداوندی سے ثابت ہو گیا۔قوم جن میں تو کوئی معصوم بھی نہیں ۔انسانوں میں حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں اور تمام ملائکہ علیہم السلام معصوم ہیں ۔

بعض محققین کا کہنا ہے کہ اجتہادی مسائل میں صرف اسی اجتہاد کو خطا کہا جا سکتا ہے،جس پر نص موجود ہو۔حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اجتہاد کے غیر صحیح ہونے کا کوئی ذکر کسی نص میں نہیں ۔اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ میراث نبوی تقسیم نہیں ہوگی ۔اجماع صحابہ کرام دلیل ظنی نہیں ، بلکہ دلیل قطعی بالمعنی الاعم ہے۔اس سے ضروریات اہل سنت کا ثبوت ہوتا ہے۔

یہ اجماع صحابہ اس بات پر دلیل ہے کہ مطالبہ باغ فدک غیر صحیح اور اسلامی قانون کے غیر مطابق تھا۔ اجماع صحابہ یہاں نص کی منزل میں قرار پائے گا ۔شرعی دلائل اربعہ میں اجماع بھی ایک دلیل ہے۔ یہاں میراث نبوی کی عدم تقسیم کی حدیث خود اس بات کی دلیل ہے کہ جو مطالبہ اس کے خلاف ہے، وہ غیر صحیح ہے۔

جن محققین کی رائے ہے کہ حضرت سیدہ رضی للہ تعالیٰ عنہا نے باغ فدک کے مطالبہ میں اجتہاد ہی نہیں فرمایا تھا تو یہاں اجتہادی خطا کا قول کرنا ہی خلاف واقع ہے تو عرض ہے کہ اس مطالبہ پر خطا کا اطلاق محال نہیں ، بلکہ ممکن ہے۔

مثلاً کسی عام مومن نے مسئلہ سے لاعلمی کے سبب حالت سفر میں نماز قصر کو مکمل ادا کر لی، یہ سمجھ کر کہ کثرت عبادت شریعت میں مطلوب ہے تو اس نے کثرت عبادت اور تقرب الی اللہ کی نیت کی ہے۔اس کے خلوص نیت پر شک نہیں کیا جا سکتا ہے۔اسی طرح مذہب اسلام کی فطرت کو سمجھنے میں بھی اس نے خطا نہیں ، کیوں کہ کثرت عبادت شریعت میں مطلوب ومحمود ہے۔ہاں ،اس کا یہ خاص امر اسلامی قانون کے مطابق نہیں ،اور اس نے حکم شرعی سے عدم معرفت کے سبب ایسا کیا تو یقیناً اس کا ترک قصر اور تکمیل نماز اسلامی شریعت کے مطابق نہیں اور یہاں کوئی اجتہاد نہیں ، لیکن یہی کہا جائے گا کہ اس سے خطا ہو گئی ۔ایسے امور پر خطا کا اطلاق ہوتا ہے۔

حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ہرگز کوئی یہ نہیں کہتا کہ ان کا مطالبہ قرآن مجید کے خلاف تھا، بلکہ ہر کوئی یہی کہتا ہے کہ اسلامی قانون کے موافق نہیں تھا۔جس حدیث نبوی میں اس اسلامی قانون کا بیان

تھا، وہ حدیث نبوی حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک پہنچ نہ سکی اور حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرآنی حکم کے اعتبار سے مطالبہ فرمایا تھا تو یہاں فہم قرآن میں بھی کوئی اعتراض نہیں، نہ ہی قرآن مجید کی روشنی میں مطالبہ پر کوئی اعتراض ہوگا۔ہاں، یہ مطالبہ اسلامی قانون کے مطابق نہیں۔قانون اسلامی سے عدم معرفت کے سبب یہ مطالبہ صادر ہوا تھا، اسی لیے جیسے ہی حدیث نبوی کی معرفت ہوئی، مطالبہ ترک فرمادیا گیا۔

اگر یہاں اجتہاد تسلیم نہ بھی کیا جائے تو بھی یہاں یہ مطالبہ اسلامی قانون کے غیر مطابق ہے، جو حدیث نبوی کی عدم معرفت کے سبب صادر ہو گیا۔اس عدم مطابقت کو عدم صحت، عدم صواب سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جب وہ صحیح وصواب نہیں تو غیر صحیح وغیر صواب کی تعبیر خطا سے ہوتی ہے۔

یہاں عدم اجتہاد کے باوجود خطا کا امکان ہے۔اس کو اردو زبان میں بھول چوک یا لغزش وغیرہ سے تعبیر کیا جائے گا۔یہ سب خطا کی مختلف شکلیں ہیں نہ کہ صواب وصحیح کی صورتیں۔اگر اہل فضل کے لیے لفظ خطا کا استعمال ممنوع ہو، تب اہل فضل کے لیے یقیناً اس کا استعمال نہیں ہوگا، لیکن علم عقائد یا علم فقہ میں کوئی ایسا جزئیہ تادم تحریر دستیاب نہیں ہوسکا۔قانون کے اعتبار سے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔

لفظ خطا مختلف معانی کا احتمال رکھتا ہے۔محتمل ومشترک الفاظ کے بعض معانی اگر ''مومن بہ'' پر منطبق ہوتے ہوں اوبعض معانی منطبق نہ ہوسکیں تو ایسے مشترک الفاظ کا استعمال ''مومن بہ'' کے لیے نہیں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور ذوات قدسیہ میں حضرات انبیائے کرام وملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام ''مومن بہ'' ہیں۔ان ذوات عالیہ کے علاوہ تمام ضروریات دین بھی متعلق ایمان ہیں کہ کسی ضروری دینی کا انکار واستخفاف کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ سہو ونسیان اور خطا کے ہر معنی سے بالذات پاک ومنزہ ہے۔حضرات ملائکہ کرام علیہم السلام گناہ ومعصیت اور سہو ونسیان سے معصوم ہیں۔حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام گناہ ومعصیت سے معصوم ہیں اور تبلیغی امور میں سہو ونسیان سے معصوم ہیں، لیکن ذاتی اعمال وافعال میں سہو ونسیان ممکن ہے۔

چوں کہ لفظ خطا کے بعض معانی یعنی گناہ ومعصیت اور حضرات ملائکہ علیہم السلام کے لیے سہو ونسیان ثابت نہیں، اسی طرح حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے گناہ ومعصیت کے ساتھ امور تبلیغیہ میں سہو ونسیان محال ہے تو لفظ کے یہ معانی ان کے حق میں غیر ثابت اور باطل ہیں، پس لفظ خطا کا استعمال حضرات انبیائے کرام وملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے نہیں ہوگا۔

مومن کے لیے مشترک ومحتمل الفاظ کے بعض معانی ثابت ہوں اور بعض معانی ثابت نہ ہوں تو بھی ایسے محتمل ومشترک الفاظ کا استعمال مومن کے لیے ہوتا ہے، جیسے لفظ خواجہ کا استعمال اکابر اولیائے کرام کے لیے ہوتا ہے، حالاں کہ خواجہ کا ایک معنی مخنث وہجڑا ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا: ''حضرت عزت عز جلالہ پر لفظ صاحب کا اطلاق جائز، بلکہ حدیث میں وارد ہے۔اللہم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی المال والاہل والولد۔

اور میاں کا اطلاق نہ کیا جائے کہ وہ تین معنی رکھتا ہے۔ان میں دو رب العزت کے لیے محال ہیں۔آقا اور شوہر اور مرد وعورت میں زنا کا دلال، لہٰذا اطلاق ممنوع اور اس پر افتخار جہل''۔(فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۲۰)

میاں کے بعد والے دو معانی جو اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں، وہ دو معانی مشائخ کرام وپیران طریقت

کے لیے بھی ثابت نہیں ،لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ممنوع اور نا قابل فخر ہوا، جب کہ مشائخ عظام وپیران طریقت کے لیے جائز اور قابل فخر لفظ ہے۔مشائخ کے لیے ’’میاں‘‘ کا لفظ ہند و پاک میں مروج ہے۔

طارق انور مصباحی

جاری کردہ:25:اگست 2020

☆☆☆☆☆

(۱۳)

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ

اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟

(قسط چہارم)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:{اذا صح الحدیث فھو مذھبی}

یعنی جب میرے اجتہادی مسئلہ کے بالمقابل صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔اس قول کی تشریح میں بتایا گیا کہ وہ حدیث امام کو نہ ملی ہو،اوراس وجہ سے آپ نے اجتہاد کیا، پھر جب حدیث مل جائے تو حدیث پر عمل کا حکم فرمایا۔اس کی مکمل تشریح اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے ’’الفضل الموہبی‘‘ میں رقم فرمادی ہے۔اسی طرح کا قول دیگر ائمہ مجتہدین سے بھی منقول ہے۔

اگر حدیث کا مفہوم اور امام مجتہد کا اجتہادی مسئلہ ایک ہی ہے تو یہاں مفہوم حدیث اور قول امام میں کوئی تعارض وتخالف نہیں۔دونوں کا ایک ہی مفاد ہے۔اگر دونوں کے مفہوم میں تخالف وتضاد ہے تو یہ بات معلوم ہے کہ دو معارض ومتضاد امور میں سے ایک ہی امر نفس الامر کے اعتبار سے حق ہوگا۔

اب یہاں دو امر ہیں:مفہوم حدیث اور قول امام۔حضرت امام اعظم قدس سرہ القوی نے حدیث پر عمل کا حکم دے کر واضح فرمادیا کہ مفہوم حدیث حق ہوگا۔اب قول امام نفس الامر کے اعتبار سے حق سے متخلف ہوگا،گر چہ اصول اجتہاد اور قواعد استنباط کے اعتبار سے حق ہو۔

یہاں اس حدیث سے متعلق بحث ہے جو امام کو معلوم نہ ہوسکی۔اس سے واضح ہوگیا کہ کوئی حدیث مجتہد کو معلوم نہ تھی،اوراس نے اجتہاد کرلیا، پھر حدیث اس اجتہاد کے برخلاف ہوئی تو حدیث کی معرفت نہ ہونے کے باوجود مجتہد کے اجتہادی مسئلہ کو خطائے اجتہادی کے زمرہ میں رکھا جائے گا۔اس اجتہادی مسئلہ کے ترک اور حدیث پر عمل کا حکم دینا اس بات کو متعین کررہا ہے کہ اجتہاد وہاں حق سے متخلف ہوگیا اور اصابت حق کی منزل کو نہ پاسکا۔اس اجتہادی مسئلہ کے برخلاف صحیح حدیث کا وجود اس مسئلہ میں اجتہادی خطا کا تعین کرے گا۔

حدیث پر عمل کا حکم دینے کا یہی مطلب ہے کہ امام مجتہد ایسی صورت میں اپنے اجتہادی مسئلہ سے رجوع فرمارہے ہیں،اور حق سے رجوع نہیں کیا جاتا، بلکہ خلاف حق سے رجوع کیا جاتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ متعلقہ کے بارے میں واردشدہ حدیث کا علم نہ ہونے کے باوجود خطائے اجتہادی کا ثبوت ہوجاتا ہے۔

دراصل خطائے اجتہادی کے مفہوم کو نہ سمجھنے کے سبب یہ نظریہ پیدا ہوگیا کہ حدیث کی معرفت ہی نہیں تو

خطا کیسے؟ درحقیقت عدم اصابت حق کا نام اجتہادی خطا ہے۔خواہ عدم اصابت حق حدیث کی عدم معرفت کے سبب ہو، یا حدیث کی ایسی تاویل کے سبب ہو جو مرضی الٰہی کے موافق نہ ہوتو وہاں بھی عدم اصابت حق ثابت ہے، گرچہ دنیاوالوں کو مرضی الٰہی کا علم نہ ہو۔حدیث نبوی جس میں خطائے اجتہادی کا ذکر آیا،اس میں عدم اصابت حق یعنی حق نہ پانے کو اجتہادی خطا کہا گیا ہے۔

{عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو وَاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَا:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:اِذَا حَکَمَ الْحَاکِمُ فَاجْتَھَدَ وَاَصَابَ فَلَہٗ اَجْرَانِ-وَاِذَا حَکَمَ فَا جْتَھَدَ وَاَخْطَأَ فَلَہٗ اَجْرٌ وَاحِدٌ}

(مشکوٰۃ المصابیح ص324-صحیح البخاری ج2ص1092-صحیح مسلم ج2ص76)

ترجمہ:جب حاکم فیصلہ کرے اور وہ (حکم شرع کے بارے میں)اجتہاد کرے اور درستگی کو پہنچ جائے تو اس کے لیے دو اجر ہے،اور جب فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے، پس خطا کر جائے تو اس کے لے ایک اجر ہے۔

ابتدائی طور پر یعنی اصول اجتہاد کی رعایت کے اعتبار سے ہر مجتہد مصیب ہوتے ہیں،اور انجام و نتیجے کے اعتبار سے بعض حق کو پاتے ہیں اور بعض حق کو نہیں پاتے۔متضاد و متخالف اقوال میں سے ہر ایک عنداللہ حق نہیں۔

ہاں، یہ ضرور صحیح ہے کہ ہر مجتہد کو ظہور خطا سے قبل اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا حکم ہے اور اسی طرح ہر مقلد کو اپنے امام مجتہد کے قول پر عمل کرنا ہے۔اصول اجتہاد کی رعایت کے اعتبار سے مذاہب اربعہ حق ہیں اور متضاد اقوال میں اصابت حق کسی ایک کو حاصل ہے، جس کا علم بندوں کو نہیں۔

ملا احمد جیون جون پوری نے رقم فرمایا:{(ان المجتھد یخطئ ویصیب،والحق فی موضع الخلاف واحد)ولکن لا یعلم ذلک الواحد بالیقین-فلھذا قلنا بحقیۃ المذاھب الاربعۃ}

(نورالانوار جلد دوم ص301-دارالکتب العلمیہ بیروت)

اجتہادی خطا عیب نہیں ہے، بلکہ بشری تقاضوں میں سے ہے۔خورد و نوش، نیند،اونگھ،صحت و مرض، بول و براز، بالغ انسان کو جنس مخالف کی اشتہا،خوشی و غم وغیرہ امور بشری تقاضوں اور انسانی فطرت میں شامل ہیں۔

جب ایک امر حق ہوگا تو اس کے برخلاف امر حق سے خارج ہوگا۔باب اجتہاد میں اسی کو خطائے اجتہادی کہا جاتا ہے۔مخلوق معصوم یعنی حضرات انبیائے کرام و ملائکہ عظام علیہم السلام سے بھی یہ ثابت ہے۔

مخلوق کو خالق کا رتبہ نہ دیا جائے۔مذہب اہل سنت و جماعت افراط و تفریط سے پاک ہے۔اللہ تعالیٰ ہر قسم کی خطا، بھول چوک،سہو و نسیان وغیرہ سے پاک ہے۔فضل خداوندی کے سبب کسی بندے کا ہر قسم کی خطا، سہو و نسیان، بھول چوک وغیرہ سے پاک ہونا عقلی طور پر ممکن ہے،لیکن اس کا شرعی ثبوت موجود نہیں۔

امام نسفی نے رقم فرمایا:{ولنا قولہ تعالیٰ:((ففھمناھا سلیمان)ای الحکومۃ والفتوی-او القضیۃ-واذا اختص سلیمان بالفھم وھو اصابۃ الحق بالنظر فی الحق کان الأخر خطأ-وما قضی داؤد کان رأیا-اذ لو کان وحیا لما حل لسلیمان مخالفتہ-ثم تخصیص سلیمان بفھم القضیۃ یقتضی ان یکون الأخر خطأ}

(کشف الاسرار شرح المنار جلد دوم ص304-دارالکتب العلمیہ بیروت)

باغ فدک کے امر میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں کو حق پر کہا جاتا ہے،اس کا مفہوم یہ ہے کہ اصول و قانون کے اعتبار سے دونوں حق پر ہیں۔

متضاد اقوال میں انجام اور نتیجہ کے اعتبار سے عند اللہ دونوں متضاد قول حق نہیں ہوتے ہیں۔اب عند اللہ کون سا قول حق ہے۔اس کا علم بندوں کو نہیں ہوتا۔

طلب میراث کا مفہوم یہ ہوا کہ باغ فدک میں وراثت جاری ہوگی،اور عدم عطائے میراث کا مفہوم یہ ہوگا کہ میراث جاری نہیں ہوگی۔عند اللہ دونوں نظریہ اصابت حق سے متصف نہیں ہوسکتا۔

جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و جملہ صحابہ اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اجماع عدم تقسیم میراث پر ہوگیا اور امت مسلمہ اپنے اجماع میں خطا سے محفوظ ہے تو اس سے یہی ظاہر ہوا کہ میراث نبوی کی عدم تقسیم کا نظریہ ہی عند اللہ حق ہے۔

ملا احمد جیون جون پوری نے رقم فرمایا:{(والمختار انه مصیب ابتداءً مخطئی انتهاءً)لانه اتٰی بما کلف به فی ترتیب المقدمات وبذل جهده فیها-فکان مصیبا فیه،وان اخطأ فی آخر الامر وعاقبة الحال-فکان معذورًا،بل ماجورًا لان المخطئ له اجر-والمصیب له اجران}

(نور الانوار جلد دوم ص 304-دار الکتب العلمیہ بیروت)

جب اجتہاد میں وقوع خطا یعنی عدم اصابت حق کے باوجود اجر دیا جا رہا ہے تو یہ مجتہد کے حق میں کوئی عیب نہیں۔کیا غلط کام پر اجر دیا جاتا ہے۔جس پر اجر دیا جا رہا ہے،وہ یقیناً فعل حسن ہے،فعل قبیح نہیں،گرچہ اس کا ذکر کسی موقع پر کسی سبب سے ممنوع ہوجائے۔اسی طرح مجتہد کو عدم ظہور خطا کی صورت میں اپنے اجتہاد پر عمل کا حکم ہے تو کیا شریعت نے کسی غلط صورت پر عمل کا حکم دیا،ہرگز نہیں۔ظنی امور میں مجتہد کو اصول وضوابط کی روشنی میں جس کا ظن غالب ہو،اسی پر اسے عمل کا حکم ہے،گرچہ وہ اجتہاد اصابت حق کی منزل سے متخلف ہو۔

جب کسی اجتہادی مسئلہ میں عدم اصابت حق یعنی خطا کے باوجود اس پر اجر اور عمل کا حکم ہے تو خطائے اجتہادی مجتہد کے حق میں عیب نہیں،پھر اس کا ذکر بے ادبی نہیں ہوگا۔ہاں،اس کو بصورت عیب پیش کیا جائے،تب بے ادبی ہوگی۔

حدیث نبوی میں مطلق عدم اصابت حق کو اجتہادی خطا بتایا گیا ہے۔خواہ بندہ کو اس کے برخلاف منصوص حکم شرعی کا علم ہو،یا علم نہ ہو۔ایسا نہیں کہ منصوص حکم شرعی کی عدم معرفت کی صورت میں عدم اصابت حق ہو تو وہ خطائے اجتہادی کے دائرہ سے باہر ہے۔جب منصوص حکم شرعی کا علم ہوگا تو وہاں اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ہاں،اگر وہ نص غیر مفسر ہے تو وہاں نص میں تاویل ہوسکتی ہے،اور اس تاویل میں صحت وخطا دونوں کا احتمال ہے۔

ہر اجتہاد خطا کا احتمال رکھتا ہے۔ایسی صورت میں یہ دعویٰ کہ مسئلہ طلب فدک میں حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب سے اجتہاد بھی ہو تو بھی خطا کا احتمال نہیں،بالکل غلط دعویٰ ہے۔بعض لوگ شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خدا مانتے تھے۔آپ نے ان مرتدین کو آگ میں جلا دیا تھا۔یہ سب غلو کی شکلیں ہیں۔

اجتہاد میں اصابت حق کا ظن غالب ہوتا ہے اور خطا کا احتمال ہوتا ہے۔اصابت حق کے ظن غالب کے اعتبار سے عمل کی اجازت ہے،گرچہ وہاں خطا کا احتمال بھی ہو۔نفس الامری حقیقت کے ظہور سے قبل خطا کا احتمال مرجوح ہوگا اور اصابت حق کی جہت راجح ہوگی،اور ظنی واجتہادی امور میں ظن غالب پر عمل کا حکم ہے۔

ملا احمد جیون جون پوری نے تحریر فرمایا:{(وحکمه الاصابة بغالب الرأی)ای حکم الاجتهاد لذکره قریبًا،اوحکم القیاس لذکره فی الاجمال-اصابة الحق بغالب الرأی دون الیقین}

(نورالانوار جلد دوم ص 301- دارالکتب العلمیہ بیروت)

مذبذبین کا قافلہ میدان میں

جولوگ متکلم کے خلاف میدان میں براجمان ہیں۔ان میں بہت سے اہل باطل یعنی مذبذبین بھی ہیں۔ مخالفین میں سے بعض لوگ مسلک دیوبند کے اشخاص اربعہ کی تکفیر کے منکر ہیں۔کافر کلامی کے کفر کا منکر یا تو کافر کلامی ہوگا، یا کافرفقہی۔جولوگ اشخاص اربعہ کے کفر کا مطلق انکار کرتے ہیں،وہ کافر کلامی ہیں اور جولوگ اشخاص اربعہ کو گمراہ اور غیر کافر کلامی کہتے ہیں،وہ متکلمین کے یہاں گمراہ اور فقہا کے یہاں کافر ہیں۔اس کی تفصیل ”البرکات النبویہ“ رسالہ دوازدہم: باب چہاردہم و پانزدہم،اور رسالہ یازدہم: باب چہارم میں ہے۔

اشخاص اربعہ کی تکفیر کے منکرین اسلامی اصول وقوانین کے بالمقابل خود سے قوانین وضع کرتے ہیں، پھر ان خود ساختہ اصول کی روشنی میں تکفیر کا انکار کرتے ہیں۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صریح ومتعین بے ادبی کرنے والوں کے حق میں یہ لوگ نرمی دکھاتے ہیں اور کسی غیر معصوم معظم دینی کے لیے لفظ خطا کا مطلق استعمال یا خطائے اجتہادی کا استعمال ہرگز صریح اور متعین بے ادبی نہیں،لیکن یہاں سختی دکھا رہے ہیں،تا کہ اہل حق کو یہ مذبذبین موردالزام ٹھہرا سکیں،اور اپنے کفر وگمرہی پر حجاب ڈال سکیں۔

واضح رہے کہ مذبذبین کے مذکورہ دونوں طبقے یقیناً اہل سنت وجماعت سے خارج ہیں۔فاتحہ ونیاز اور عرس وچادر پوشی کا نام سنیت نہیں، بلکہ ضروریات اہل سنت کو ماننا سنی ہونے کی دلیل ہے اور ضروریات دین کو ماننا مومن ہونے کی دلیل ہے۔ فاتحہ ونیاز اور عرس وچادر پوشی مستحبات میں سے ہیں،نہ کہ ضروریات دین یا ضروریات اہل سنت میں سے۔

یہ مذبذبین بدترین قسم کے گمراہ ہیں۔اگر ان کی بداعتقادی کو اجاگر نہ کیا جائے تو یہ ہندوپاک میں مذہب اہل سنت وجماعت کو تباہ وبرباد کردیں گے۔ان مذبذبین سے دور بھاگیں:ایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم۔بدعقیدوں کے خروج کے بعد بھی مذہب اہل سنت وجماعت سواد اعظم اور تمام بدمذہب فرقوں سے کثیر الافراد رہے گا۔ہماری کتاب ”السواد الاعظم من عہد الرسالۃ الیٰ قرب القیامۃ“ میں تفصیل مرقوم ہے۔

طارق انور مصباحی

جاری کردہ:09:ستمبر 2020

☆☆☆☆☆

(۱۴)

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ

اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟

(قسط پنجم)

باب فقہ وعقائد کے غیر منصوص مسائل کا حل اصول وقواعد کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔کبھی اصول وقوانین کے استعمال میں خطا بھی واقع ہوجاتی ہے۔اصول وضوابط کی روشنی میں مسئلہ حاضرہ کا تجزیہ مرقومہ ذیل ہے۔

(1) بعض امور کو کفر یا ضلالت وگمرہی کے لیے شعار تسلیم کیا گیا ہے۔ شعار میں کبھی تبدیلی بھی ہوجاتی ہے۔ ترک نماز کو عہد صحابہ میں شعار کفر مانا جاتا تھا، پھر عہد مجتہدین میں ترک نماز کو شعار کفر تسلیم نہیں کیا گیا۔

اسی طرح عہد صحابہ کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی بے ادبی وایذا رسانی رافضیت کی علامت اور اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی بے ادبی وایذا رسانی ناصبیت کی علامت تسلیم کی گئی۔ شہادت عثمانی میں جو شریک تھے، ان کو گمراہ یا رافضی تسلیم نہیں کیا گیا، کیوں کہ صحابہ کرام کی بے ادبی اس وقت شعار رافضیت نہیں تھی، بلکہ اس وقت روافض کا وجود ہی نہیں تھا۔ واقعہ کربلا کے وقت اہل بیت کرام کی بے ادبی ناصبیت کی علامت نہیں تھی، اسی لیے واقعہ کربلا کے مجرمین کو گمراہ یا ناصبی تسلیم نہیں کیا گیا۔

(2) ''مومن بہ'' کی تصدیق کا نام ایمان ہے۔ وہ تمام امور جو تصدیق کے منافی ہیں، ان کے سبب ایمان متأثر ہوجاتا ہے۔ بے ادبی بھی تصدیق کے منافی ہے، لہٰذا ''مومن بہ'' کی بے ادبی کے سبب بھی ایمان پر اثر آتا ہے۔ اگر تصدیق کے منافی کوئی امر صریح متعین ہو تو کفر کلامی ہے۔ اگر صریح متبین ہے تو کفر فقہی ہے اور متکلمین اس کو ضلالت وگمرہی کا نام دیتے ہیں۔ اگر وہ محتمل ہو تو وہ ناجائز وحرام ہے۔ احتمال جس قدر ضعیف ہوگا، اسی قدر حکم میں تخفیف ہوتی جائے گی۔

(3) مومن (غیر مومن بہ) کی دو حالت ہے۔ اگر مومن کی بے ادبی، تذلیل وتحقیر یا ایذا رسانی وغیرہ اس نیت سے کی جائے کہ اس کا تعلق ''مومن بہ'' سے ہے، یا اسلام سے ہے تو یہاں بھی حکم کفر عائد ہوتا ہے۔

اگر مومن کی بے ادبی، تذلیل وتحقیر، ایذا رسانی وغیرہ کسی دوسرے سبب سے کی جائے تو حکم کفر یا حکم ضلالت نہیں، بلکہ خاص اس امر ممنوع کا جو حکم ہے، وہی حکم نافذ ہوگا، جیسے کسی کو قتل کرنا حرام ہے تو مومن کے قتل پر حرمت کا حکم عائد ہوگا اور اس جرم کا مرتکب فاسق وفاجر اور گنہ گار قرار پائے گا۔

خلیفہ سوم حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام الشہدا حضرت سیدنا امام حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین گناہ کبیرہ اور حرام کے مرتکب اور فاسق وفاجر ہیں۔ گمراہ یا کافر نہیں ہیں۔

شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل ابن ملجم خوارج میں سے تھا۔ وہ اپنے غلط عقائد کے سبب گمراہ ہے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو شہید کرنے سبب صرف فاسق وفاجر و مرتکب کبیرہ وگنہ گار ہے۔

مذکورہ بالا تینوں ظالمانہ حادثات کا سبب نسبت نبوی نہیں ہے، بلکہ دیگر اسباب ہیں۔ حضرت خلیفہ سوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا سبب وہ خط بن گیا جن پر آپ کی مہر لگی ہوئی تھی۔ نہ جانے کس نے یہ خیانت کی تھی۔ آپ یقینی طور پر اس سے بری الذمہ تھے۔ حضرت شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا سبب یزید کے فسق وفجور کے سبب اس کی بیعت سے آپ کا انکار تھا۔ حضرت خلیفہ چہارم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا سبب واقعہ تحکیم بن گیا۔ اسی سبب سے خوارج آپ سے جدا ہوگئے، پھر آپ نے ان سے جنگ بھی فرمائی۔

مومن کی بے ادبی یا تذلیل نسبت کے سبب

اگر کسی صحابی یا اہل بیت کی بے ادبی یا ان کی ایذا رسانی اس نیت سے کی جائے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی یا اہل بیت ہیں تو اس نسبت کے سبب ایذا یا بے ادبی پر حکم کفر اور کبھی حکم ضلالت ہوگا۔

امام احمد رضا قادری نے رقم فرمایا: ''مجمع الانہر میں ہے: (من قال لعالم عویلم علی وجہ الاستخفاف کفر) جو کسی عالم دین کو تحقیر کے طور پر مولویا کہے، کافر ہوجائے''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص 12 - رضا اکیڈمی ممبئی)

توضیح: شہادت عثمانی اور واقعہ کربلا کے مجرمین کافر نہیں، لیکن عالم دین کو مولویا کہنے والا کافر ہے۔اس کا سبب وہی اصول وقانون ہے جو بیان ہوا کہ مومن (غیر مومن بہ) کے احکام دوقسم کے ہیں۔

عالم کی تذلیل اس سبب سے کرنا کہ وہ مذہب اسلام کا عالم ہے، یہ کفر کا سبب ہے۔اگر کسی اختلاف یا ذاتی عداوت کے سبب عالم کی تذلیل وتحقیر کی جائے تو یہ ناجائز وحرام ہے،لیکن کفر نہیں۔

اسی طرح کسی سبب دیگر کی بنیاد پر کسی صحابی کی بے ادبی بھی کفر نہیں۔چوں کہ عہد صحابہ کے بعد صحابی کی بے ادبی شعار رافضیت قرار دی گئی ہے،اس لیے ضلالت وگمرہی کا حکم ہوگا۔اگر بے ادبی شعار قرار نہ دی جاتی تو ضلالت کا حکم نہیں ہوتا۔صرف حرمت کا حکم ہوتا۔

{قال الامام عبد اللہ بن محمود بن مودود الموصلی الحنفی:{وسب احد من الصحابة وبغضہ لا یکون کفرًا لکن یضلل-فان علیا رضی اللہ عنہ لم یکفر شاتمہ حتی لم یقتلہ}

(الاختیار لتعلیل المختار: کتاب السیر ج۴ص۱۶۰-دارالکتب العلمیہ بیروت)

توضیح: اگر نسبت نبوی کے علاوہ کسی دوسرے سبب سے صحابی کی بے ادبی ہو تو کفر نہیں، بلکہ ناجائز وحرام ہے،اور شعار رافضیت ہونے کے سبب گمرہی کا سبب بھی ہے،لیکن کفر نہیں۔اگر کسی صحابی کی بے ادبی اس نیت سے کی گئی کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی ہیں تو کفر ہے۔

قال الهيتمی: {وعبارة البغوی:من انکر خلافة ابی بکر یبدع ولا یکفر-ومن سب احدًا من الصحابة ولم یستحل،یفسق-واختلفوا فی کفر من سب الشیخین-قال الزرکشی کالسبکی:وینبغی ان یکون الخلاف اذا سبهما لامر خاص به-اما لو سبهما لکونهما صحابیین فینبغی القطع بتکفیره-لان ذلک استخفاف بحق الصحبة-وفیه تعریض بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم}(الاعلام بقواطع الاسلام ص۹۳-مکتبہ شاملہ)

توضیح: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی بے ادبی اور سب وشتم کرنے والا فاسق ہے۔
حضرات شیخین کریمین (صدیق وفاروق) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بے ادبی کو بعض نے کفر کہا،لیکن یہ ضعیف قول ہے۔اگر صحابی رسول ہونے کے سبب حضرات شیخین کریمین کو سب وشتم کیا تو کفر یقینی ہونا چاہئے، کیوں کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق صحبت کی بے ادبی ہے،اور یہ لزومی طور پر خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے ادبی ہے،اور لزومی طور پر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے ادبی ہو تو یہ فقہا کے یہاں کفر ہے،گرچہ متکلمین لازم مذہب کو مذہب نہیں مانتے۔

حضرات شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سب وشتم کو بعض فقہا نے کفر لکھا ہے،لیکن یہ ضعیف قول ہے،اور متون وشروح کے بھی خلاف ہے۔تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

قال الشامی: {نقل فی البزازیة عن الخلاصة ان الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما فهو کافر-وان یفضل علیًّا علیهما فهو مبتدع-الخ}(ردالمحتار ج۴ص۴۲۲)

ثم قال بعد التفصیل: {فعلم ان ما ذکره فی الخلاصة من انه کافر-قول ضعیف مخالف للمتون والشروح -بل هو مخالف لاجماع الفقهاء کما سمعت}(ردالمحتار ج۴ص۴۲۳)

حاصل کلام وخلاصہ بحث

کسی صحابی کی بے ادبی کفر نہیں، یہاں تک کہ حضرات شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بے ادبی بھی کفر نہیں، بلکہ ناجائز وحرام ہے۔طعن صحابہ کرام کو بعد کے زمانے میں شعار رافضیت تسلیم کیا گیا تو اس اعتبار سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے سب وشتم پر گمرہی کا حکم ہوگا۔حضرات اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی بے ادبی ناصبیت کی علامت ہے تو یہ بے ادبی بھی سبب ضلالت ہوگی۔

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوگیا کہ کسی مومن کی بے ادبی فی نفسہ کفر وگمرہی نہیں۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی بے ادبی علامت رافضیت ہونے کے سبب،اور حضرات اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی بے ادبی شعار ناصبیت ہونے کے سبب ضلالت وگمرہی تسلیم کی گئی ہے۔

مسئلہ حاضرہ یعنی لفظ خطا کے مسئلہ میں متکلم کی طرف سے بالقصد بے ادبی کرنا ثابت نہیں،کیوں کہ متکلم کا قصد روافض کے نظریہ کا ردوابطال تھا،نیز متکلم کا سنی ہونا بھی قرینہ ہے کہ یہاں اہل بیت کی بے ادبی مقصود نہیں۔

الغرض بے ادبی کرنا ثات نہیں اور بے ادبی ہونا ثابت ہے یا نہیں؟اس میں اختلاف ہے۔

یہاں ضلالت کا حکم لگانے سے قبل دو باتوں کی تحقیق کرنی ہوگی:(۱)اولاً مذکورہ لفظ کا استعمال بے ادبی ہے یا نہیں؟(۲)ثانیاً صحابہ واہل بیت کی بے ادبی کرنا تو شعار رافضیت وناصبیت ہے،لیکن بلا قصد بے ادبی ہو جانا شعار رافضیت وناصبیت ہے یا نہیں؟حکم ضلالت نافذ کرنے والے ان دونوں امر کی تحقیق پیش کریں۔

ایمان اور تصدیق کے منافی امور کو بالقصد کرنا اور قصداً انجام دینا بھی کفر ہے۔اسی طرح بلا قصد منافی امور کا صادر ہوجانا بھی کفر ہے۔صرف بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں۔دوسری جانب اس پر نظر رکھیں کہ حضرات صحابہ واہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی بالقصد بے ادبی کرنے کو رافضیت وناصبیت کا شعار مانا گیا ہے،لیکن کہیں یہ صراحت نہیں مل سکی کہ بلا قصد بے ادبی ہوجانے کو بھی رافضیت وناصبیت کا شعار مانا گیا ہو۔حکم لگانے والے محققین کے پاس ایسی صراحت موجود ہوتو پیش کریں۔مذکورہ دونوں امور کے حل کے بغیر حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

اگر حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے لفظ خطا کا مطلق استعمال ناجائز ہوتو اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ حضرات صحابہ کرام واہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے لیے بھی اس کا استعمال ناجائز ہی ہو،کیوں کہ ”مومن بہ“اور مومن کے احکام میں بہت فرق ہوتا ہے۔

مومن کو قتل کرنا حرام ہے،لیکن کفر یا ضلالت نہیں،لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک کی بے ادبی بھی کفر ہے۔مومن کو قتل کرنا بھی کفر نہیں،لیکن ”مومن بہ“ کے اسم مبارک کی بے ادبی بھی کفر ہے۔

فریق دوم نے اپنی تحقیقات میں بہت سے مقامات پر مرجوح اقوال کو پیش کیا ہے۔اگر اپنا مدعا ثابت کرنے کے واسطے جان بوجھ کر ایسا کیا گیا ہے تو یہ غیر مناسب حرکت ہے۔اگر لاشعوری طور پر ایسا ہوگیا تو اپنی تحریر پر نظر ثانی کریں:واللہ الموفق وہو الہادی الی سبیل الحق۔

طارق انور مصباحی

جاری کردہ:25 ستمبر 2020

☆☆☆☆☆

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ

اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟

(قسط ششم)

سوال اول: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت دینا کفر ہے، اور متعدد احادیث مبارکہ میں وارد ہے کہ مومن کو، صحابہ کرام واہل بیت عظام کو اذیت دینا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت دینا ہے تو مومنین اور صحابہ کرام واہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو اذیت دینا کفر لزومی ہونا چاہئے، کیوں کہ یہ بالواسطہ اور ترتیب مقدمات کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت دینا ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت دینا کفر ہے، لہٰذا مومنین کو اذیت دینا کفر ہوگا۔

چوں کہ یہ بالواسطہ نبی علیہ السلام کو اذیت دینا ہے، اس لیے کفر التزامی نہیں ہوگا، بلکہ کفر لزومی ہوگا، لیکن فقہائے اسلام مومنین کی اذیت کو کفر نہیں کہتے، بلکہ ناجائز وحرام قرار دیتے ہیں؟

متعدد احادیث نبویہ میں یہ مذکور ہے کہ مومنین یا صحابہ کرام یا اہل بیت کو اذیت دینا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت دینا ہے۔ بعض احادیث طیبہ میں بعض حضرات کے اسمائے طیبہ کا بھی ذکر ہے کہ فلاں کو اذیت دینا مجھے (حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو) اذیت دینا ہے۔ بعض احادیث نبویہ منقولہ ذیل ہیں۔

(1)(عن عمرو بن شأس الاسلمی قال،وکان من اصحاب الحدیبیة– قال:خرجت مع علی الی الیمن فجفانی فی سفری ذلک حتی وجدت فی نفسی علیه فلما قدمت اظهرت شکایته فی المسجد حتی بلغ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فدخلت المسجد ذات غدوة ورسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی ناس من اصحابه فلما رآنی امدنی عینیه یقول حدد الی النظر حتی اذاجلست قال:یا عمرو! واللّٰه لقد آذیتنی–قلت:اعوذان أوذیک یا رسول اللّٰه!قال:بلی،من آذی علیا فقدآذانی)(مسند احمد بن حنبل ج۲۵ص۳۲۱-مکتبہ شاملہ)

(2)(عن عبد اللّٰه بن الزبیر:أن علیا ذکر بنت أبی جهل فبلغ ذلک النبی صلی اللّٰه علیه و سلم فقال:إنما فاطمة بضعة منی یؤذینی ما آذاها وینصبنی ما أنصبها)

(سنن ترمذی، جلد دوم: باب فضل فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

(3)(عن عبد اللّٰه بن الحرث حدثنی عبد المطلب بن ربیعة بن الحرث بن عبد المطلب: أن العباس بن عبد المطلب دخل علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مغضبا وأنا عنده فقال ما أغضبک؟ قال یا رسول اللّٰه! ما لنا ولقریش إذا تلاقوا بینهم تلاقوا بوجوه مبشرة وإذا لقونا بغیر ذلک قال فغضب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم حتی احمر وجهه ثم قال:والذی نفسی بیده لا یدخل قلب رجل الإیمان حتی یحبکم للّٰه ورسوله ثم قال:یا أیها الناس! من آذی عمی فقد أذانی فإنما عم الرجل صنو أبیه)

(سنن ترمذی، جلد دوم: باب مناقب العباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ)

(4)عن أنس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ قال: بینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم راقد فی بعض بیوتہ علٰی قفاہ إذا جاء الحسن یدرج حتی قعد علٰی صدر النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم ثم بال علٰی صدرہ فجئت أمیطہ عنہ فاستبنہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال: ویحک یا أنس-دع ابنی وثمرۃ فؤادی-فإن من آذی ھذا فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللّٰہ-ثم دعا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بماء فصبہ علی البول صبا فقال: یصب علی بول الغلام ویغسل بول الجاریۃ) (المعجم الکبیر للطبرانی جلد سوم ص42-مکتبہ شاملہ)

(5)(عن عبد اللّٰہ بن مغفل المزنی قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اصحابی لا تتخذواھم غرضًا بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن آذاھم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللّٰہ ومن آذی اللّٰہ اوشک ان یأخذہ)

(مسند احمد بن حنبل جلد27ص358-مکتبہ شاملہ)

(6)(عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ، قَالَ: بَیْنَمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ یَتَخَطَّی رِقَابَ النَّاسِ حَتَّی جَلَسَ قَرِیبًا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا قَضَی رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلاتَهُ، قَالَ: مَا مَنَعَکَ یَا فُلانُ أَنْ تُجَمِّعَ؟ قَالَ: یَا رَسُولَ اللهِ، قَدْ حَرَصْتُ أَنْ أَضَعَ نَفْسِی بِالْمَکَانِ الَّذِی تَرَی قَالَ: قَدْ رَأَیْتُکَ تَخَطَّی رِقَابَ النَّاسِ وَتُؤْذِیهِمْ، مَنْ آذَی مُسْلِمًا فَقَدْ آذَانِی، وَمَنْ آذَانِی فَقَدْ آذَی اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ)

(المعجم الصغیر للطبرانی جلد اول ص284-المعجم الاوسط للطبرانی جلد چہارم ص60-مکتبہ شاملہ)

جواب: جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذا دی جائے تو اس کی دوصورت ہوگی۔لزومی اور التزامی۔لزومی ایذا ہو تو کفر لزومی ہے اور التزامی ایذا ہو تو کفر التزامی ہے۔

منقولہ بالا احادیث طیبہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم شریعت کا بیان نہیں فرمایا ہے، بلکہ اپنی طبعی کیفیت کا بیان فرمایا کہ حضرات صحابہ کرام واہل بیت عظام اور مومنین کی اذیت وتکلیف سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قلبی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔اگر اس کو حکم شریعت کا بیان قرار دیا جائے تو کسی مومن کو اذیت دینا، گالی گلوج کرنا، زدوکوب کرنا، قتل کرنا یہ تمام جرائم کفر لزومی قرار پائیں گے، حالاں کہ یہ جرائم ناجائز وحرام ضرور ہیں، لیکن کفر لزومی نہیں۔اس تناظر میں مزید چند امور کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

(1)مفصل روایتیں اسی واسطے نقل کی گئی ہیں، تا کہ واضح ہو سکے کہ یہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی طبعی کیفیت کا بیان فرمایا ہے۔یہاں اس حکم کا بیان نہیں ہے کہ مومنین واصحاب فضل کو ایذا دینے کا وہی حکم ہے جو حکم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت دینے کا ہے، یعنی مرتکب پر حکم کفر کا عائد ہونا۔

(2)عام مومنین کو ایذا دینا اور اصحاب فضل کو ایذا دینے میں فرق ہے۔اصحاب فضل کو ایذا دینا مجرم کی سخت شقاوت قلبی کو ظاہر کرتا ہے، اس لیے اس کا حکم بھی سخت ہوگا، گرچہ فی نفسہ یہ ضلالت یا کفر نہ ہو۔

(3)حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو سب وشتم کرنا رافضیت کا شعار قرار دیا گیا اور حضرات اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو سب وشتم کرنا ناصبیت کی علامت قرار دی گئی ہے، اس لیے ان

دونوں طبقات عالیہ کو سب وشتم کرنے والا گمراہ قرار دیا جائے گا۔

ان دونوں طبقات کے علاوہ بھی اہل فضل کے متعدد طبقات ہیں، مثلاً حضرات تابعین کرام ومجتہدین عظام، اولیا وصالحین، علما ومحدثین وغیرہم۔ان حضرات عالیہ کو سب وشتم کرنا ناجائز وحرام ہوگا۔کفر یا ضلالت نہیں۔

(4) مومن اور مومن بہ کے احکام کا فرق قسط پنجم میں بیان کر دیا گیا ہے۔اسے بھی ملحوظ رکھیں، یعنی اگر کسی نے کسی مومن کو محض اس وجہ سے اذیت دی کہ وہ مسلمان ہے تو یہاں دراصل مذہب اسلام سے عداوت اور مخالفت ثابت ہوگئی، پھر یہاں کفر کا حکم عائد ہوگا۔اس کی تفصیل قسط پنجم میں ملاحظہ فرمالیں۔

(5) مومنین کی ایذا بھی ناجائز وحرام اور مومنین اصحاب فضل مثلاً حضرات صحابہ کرام وحضرات اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی ایذا بھی حرام ہے، لیکن اصحاب فضل کو سب وشتم میں حکم کی شدت بڑھ جائے گی، گرچہ وہ کفر نہ ہو، لیکن کثرت شقاوت کو ظاہر کرے گا۔عہد صحابہ کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب وشتم کرنا رافضیت کا شعار قرار دیا گیا اور حضرات اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو سب وشتم کرنا ناصبیت کی علامت قرار پائی ہے، لہٰذا اب یہ دونوں امر شعار بدمذہبیت ہونے کے سبب بدعت وضلالت ہے۔

(1) فریق دوم نے اس موضوع پر علامہ علی قاری کی نصف عبارت رقم کی۔مکمل عبارت ہوتی تو حکم واضح تھا۔

علامہ علی قاری نے تحریر فرمایا:(**عن ام سلمة قالت قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:من سب علیا ای من جهة النسب فقد سبنی–ای من شتم علیا فکأنه شتمنی فمقتضاه ان یکون سب علی کفرًا–وهو محمول علی التهدید والوعید اومبنی علی الاستحلال–واللّٰه اعلم بالحال**)(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح جلد 17ص 447-مکتبہ شاملہ)

توضیح: علامہ علی قاری نے وضاحت فرمادی ہے کہ یہ تہدید پر محمول ہے، یا کوئی سب وشتم کو حلال سمجھے، تب حکم کفر ہے، کیوں کہ حرام کو حلال قرار دینا کفر ہے۔مومن بہ کے علاوہ کسی مومن کے سب وشتم کو کفر کہنا مرجوح قول ہے۔اس کی تفصیل قسط پنجم میں مذکور ہے۔

(2) فریق دوم نے محمد بن اسماعیل امیر صنعانی یمنی زیدی شیعی (1099-1182ھ) صاحب ''التنویر شرح الجامع الصغیر للسیوطی'' کا قول نقل کیا ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سب وشتم کو کفر ثابت کیا ہے۔یہ زیدی شیعہ ہے۔اعتقادی یا فقہی مسائل میں دیگر اہل مذاہب کے قول سے استناد نہیں کیا جاسکتا۔

(3) السراج المنیر شرح الجامع الصغیر کی بھی نصف عبارت نقل کی ہے۔مکمل عبارت درج ذیل ہے۔

شیخ علی بن احمد المعروف بہ عزیزی نے رقم کیا:(**من سب علیا**)**ابن ابی طالب**(**فقد سبنی**)**ای فکأنه سبنی**(**ومن سبنی فقد سب اللّٰه**)**ظاهره انه یصیر مرتدا–والظاهر ان المراد الزجر والتنفیر**)(السراج المنیر شرح الجامع الصغیر ج4ص 300-مکتبہ شاملہ)

توضیح: شیخ عزیزی نے لکھا کہ ظاہری مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب وشتم کرنے والا مرتد ہوجائے گا، لیکن یہ زجر وتہدید کے قبیل سے ہے، یعنی اس پر حکم ارتداد عائد نہیں ہوگا۔فریق دوم کو سوچنا چاہئے کہ خوارج کو علمائے امت نے مرتد قرار نہیں دیا، نہ خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرتد کہا۔خوارج نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکفیر کی تھی۔تکفیر تو سب وشتم سے بڑھ کر ہے، بلکہ جس خارجی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا، اسے بھی کافر قرار نہیں دیا گیا۔ہاں، وہ جرم قتل کے سبب فاسق ہے۔

(4) قاضی حسین بغوی کی عبارت نقل نہیں کی گئی، جس سے ان کی مراد واضح ہو جاتی۔

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی شافعی نے رقم فرمایا:

وفی وجه حکاه القاضی حسین فی تعلیقه انه یلحق بسب النبی صلی الله علیه وسلم سب الشیخین وعثمان وعلی رضی اللّٰہ تعالی عنهم اجمعین-فقال:من سب الصحابة فسق -ومن سب الشیخین او الحسنین یکفر او یفسق-وجهان،کذا فی النسخة-وصوابهما الختنین بمعجمة ففوقیة فنون یعنی عثمان وعلیا رضی الله تعالی عنهما-وعبارة البغوی:من انکرخلافة أبی بکر یبدع ولا یکفر-ومن سب أحداً من الصحابة ولم یستحل یفسق.

واختلفوا فی کفر من سب الشیخین: قال الزرکشی،کالسبکی:وینبغی أن یکون الخلاف إذا سبهما لأمر خاص به-أما لو سبهما لکونهما صحابیین فینبغی القطع بتکفیره- لأن ذلک استخفاف بحق الصحبة وفیه تعریض بالنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم.

(الاعلام بقواطع الاسلام:ص89-مکتبہ شاملہ)

توضیح: علامہ ابن حجر ہیتمی نے جب فرمایا کہ ایک صورت میں قاضی حسین بن محمد بن احمد خراسانی شافعی (م462ھ) نے سب شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے ادبی کے مشابہ قرار دیا ہے تو اس خاص صورت کی وضاحت ہونی چاہئے۔

قاضی حسین شافعی نے دونوں صورت بیان فرمائی ہے کہ حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو سب وشتم کرنا کفر ہے، یا فسق ہے تو اب یہ دیکھنا ہوگا کہ کفر کب ہے اور فسق کب ہے؟

علامہ ہیتمی نے اس کے بعد قاضی حسین خراسانی کے شاگرد قاضی حسین فرا بغوی شافعی کی عبارت نقل کی ہے جس میں وضاحت ہے کہ جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے سب وشتم کو حلال سمجھے، تب حکم کفر ہوگا، کیوں کہ حرام کو حلال قرار دینا کفر ہے۔

علامہ ہیتمی نے امام زرکشی شافعی کفر کی دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ صحابی کو صحابی رسول ہونے کے سبب سب وشتم کیا جائے تو یہ کفر ہے، کیوں کہ یہ صحبت نبوی کی بے ادبی ہے۔

قسط پنجم میں یہ بات واضح کی گئی تھی کہ نسبت نبوی کے سبب کسی صحابی کی بے ادبی کفر ہے۔

سوال دوم: حدیث قدسی میں وارد ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے کسی ولی سے دشمنی رکھے تو گویا اس نے رب تعالیٰ سے مخالفت کی اور اللہ تعالیٰ کو اذیت دی، اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت یا اذیت یقیناً کفر ہے اور یہاں بالواسطہ مخالفت واذیت ہے تو ولی سے دشمنی کفر لزومی ہونا چاہئے؟ جب کہ اسے صرف ناجائز وحرام کہا جاتا ہے۔

(۱)(عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ:إِنَّ اللّٰهَ قَالَ مَنْ عَادَی لِی وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَیَّ عَبْدِی بِشَیْءٍ أَحَبَّ إِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِی یَتَقَرَّبُ إِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّی أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِی یَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِی یُبْصِرُ بِهِ وَیَدَهُ الَّتِی یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِی یَمْشِی بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِی لَأُعْطِیَنَّهُ وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِی لَأُعِیذَنَّهُ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِی عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ یَکْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَکْرَهُ مَسَاءَتَهُ)(صحیح البخاری:باب التواضع)

(۲) (عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم:(إن الله جل وعلا يقول: من عادى لي وليا فقد آذاني وما تقرب إلي عبدي بشيء أحب إلي مما افترضت عليه وما يزال يتقرب إلي بالنوافل حتى أحبه فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به ويده التي يبطش بها ورجله التي يمشي بها فإن سألني عبدي أعطيته وإن استعاذني أعذته وما ترددت عن شيء أنا فاعله ترددي عن نفس المؤمن يكره الموت وأكره مسائته) (صحیح ابن حبان: باب ما جاء فی الطاعات وثوابہا: جلد دوم ص 58 - مکتبہ شاملہ)

جواب: سوال اول کا جو جواب ہے، وہی اس کا بھی جواب ہے۔ اگر معاذ اللہ تعالیٰ کسی نے رب تعالیٰ کی مخالفت کی یا ایذا پہنچانے والا کوئی کلمہ کہا تو اس کی دوصورت ہوگی۔ لزومی اور التزامی۔ لزومی ایذا ہو تو کفر لزومی ہے اور التزامی ایذا ہو تو کفر التزامی ہے۔ اولیائے کرام کی عداوت وایذا کی شدت کو بیان کرنے کے واسطے یہ حدیث قدسی وارد ہے۔ ایسا نہیں کہ ولی کی عداوت کفر ہے۔

ہاں، اگر اس نسبت کے سبب اس سے دشمنی کی گئی کہ وہ اللہ کا ولی ہے تو حکم کفر عائد ہوگا، جیسے عالم کی توہین اس نسبت سے کی جائے کہ وہ مذہب اسلام کا عالم ہے تو حکم کفر عائد ہوتا ہے، کیوں کہ یہ اسلام کی بے ادبی ہے۔

طارق انور مصباحی

جاری کردہ: 10: اکتوبر 2020

☆☆☆☆☆

(۱۶)

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ

اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟

(قسط ہفتم)

سوال اول: کیا لفظ خطا کا استعمال حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہوسکتا ہے؟

جواب: بہت سے امور میں مومن کا حکم الگ ہے، اور مومن بہ کا حکم الگ ہے۔ محتمل لفظ کا بعض معنی ایسا ہو کہ اس سے مومن بہ کی تنقیص شان نہ ہو، اور بعض معنی ایسا ہو کہ اس سے مومن بہ کی تنقیص شان ہو جائے تو ایسا محتمل لفظ مومن بہ کے لیے استعمال کرنا ممنوع ہے، گرچہ استعمال کرنے والا صحیح معنی مراد لے۔ کبھی بعض صحیح لفظ بھی مومن بہ کی تنقیص کی نیت سے بولنا کفر کا سبب ہوتا ہے، گرچہ دوسرے اعتبار سے اس کا استعمال کفر نہیں۔

(الف) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مومنین کو لفظ ''راعنا'' کے اطلاق سے منع فرمایا، حالاں کہ مومنین اس سے وہ معنی مراد لیتے تھے، جس میں تنقیص نبوی کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ یہودیوں کی زبان میں اس کا مفہوم ایسا تھا جو تنقیص پر دلالت کرتا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے اس لفظ سے منع فرمادیا، تاکہ سد باب ہو جائے۔ ارشاد الٰہی ہے:

((يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ))

(سورہ بقرہ: آیت 104)

ترجمہ: اے ایمان والو! راعنا نہ کہو، اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں، اور پہلے ہی سے بغور سنو، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (کنز الایمان)

توضیح: صدر الافاضل حضرت علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی نے آیت قرآنیہ کی تفسیر میں رقم فرمایا:

''جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو کچھ تعلیم وتلقین فرماتے تو وہ کبھی کبھی درمیان میں عرض کیا کرتے: ''راعنا یا رسول اللہ''۔ اس کے یہ معنی تھے کہ: یا رسول اللہ! ہمارے حال کی رعایت فرمائیے، یعنی کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھ لینے کا موقع دیجیے۔ یہود کی لغت میں یہ کلمہ سوئے ادب کے معنی رکھتا تھا۔

انہوں نے اس نیت سے کہنا شروع کیا۔ حضرت سعد بن معاذ یہود کی اصطلاح سے واقف تھے۔ آپ نے ایک روز یہ کلمہ ان کی زبان سے سن کر فرمایا: اے دشمنان خدا! تم پر اللہ کی لعنت۔ اگر میں نے اب کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا، اس کی گردن ماردوں گا۔ یہود نے کہا: ہم پر تو آپ برہم ہوتے ہیں، مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں۔ اس پر آپ رنجیدہ ہوکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی، جس میں ''راعنا'' کہنے کی ممانعت فرمادی گئی، اور اس معنی کا دوسرا لفظ ''انظرنا'' (حضور ہم پر نظر رکھیں) کہنے کا حکم ہوا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ انبیا کی تعظیم وتوقیر اور ان کی جناب میں کلمات ادب عرض کرنا فرض ہے، اور جس کلمہ میں ترک ادب کا شائبہ بھی ہو، وہ زبان پر لانا ممنوع۔ (خزائن العرفان: تفسیر آیت مذکورہ)

مسئلہ: دربار انبیا میں آدمی کو ادب کے اعلیٰ مراتب کا لحاظ لازم ہے۔ (خزائن العرفان: تفسیر آیت مذکورہ)

امام قرطبی مالکی نے آیت منقوشہ بالا کی تفسیر میں رقم فرمایا: {فیہ خمس مسائل: الاولیٰ: قولہ تعالیٰ: ((یأیها الذین آمنوا لا تقولوا راعنا)) ذکر شیئًا آخر من جهالات الیهود-والمقصود نهی المسلمین عن مثل ذلک-وحقیقة "راعنا" فی اللغة، أرعنا ولنرعک، لان المفاعلة من اثنین، فتكون من رعاک اللّٰه، أی احفظنا ولنحفظک، وارقبنا ولنرقبک.

ویجوز أن یکون من أرعنا سمعک، أی فرغ سمعک لكلامنا-وفی المخاطبة بهذا جفاء، فأمر المؤمنین أن یتخیروا من الالفاظ أحسنها ومن المعانی أرقها.

قال ابن عباس: كان المسلمون یقولون للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم: راعنا-علیٰ جهة الطلب والرغبة-من المراعاة-أی التفت إلینا، وكان هذا بلسان الیهود سبا، أی اسمع لا سمعت، فاغتنموها وقالوا: كنا نسبه سرا فالآن نسبه جهرًا، فكانوا یخاطبون بها النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ویضحكون فیما بینهم، فسمعها سعد بن معاذ وكان یعرف لغتهم، فقال للیهود: علیكم لعنة اللّٰه! لئن سمعتها من رجل منكم یقولها للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم لاضربن عنقه-فقالوا: أ و لستم تقولونها؟ فنزلت الأیة، ونهوا عنها لئلا تقتدی بها الیهود فی اللفظ وتقصد المعنی الفاسد فیه.

الثانیة-فی هذه الایة دلیلان: أحدهما-علی تجنب الالفاظ المحتملة التی فیها التعریض للتنقیص والغض-ویخرج من هذا فهم القذف بالتعریض-وذلک یوجب الحد عندنا خلافا لابی حنیفة والشافعی وأصحابهما حین قالوا: التعریض محتمل للقذف وغیره-والحد مما یسقط بالشبهة-وسیأتی فی" النور"بیان هذا، إن شاء اللّٰه تعالی.

الدليل الثانی-التمسک بسد الذرائع وحمایتها وهو مذهب مالک وأصحابه وأحمد ابن حنبل فی روایة عنه-وقد دل علٰی هذا الاصل الکتاب والسنة.

والذریعة عبارة عن أمر غیر ممنوع لنفسه یخاف من ارتکابه الوقوع فی ممنوع}

(تفسیر قرطبی: جلد دوم ص57-مکتبہ شاملہ)

توضیح: امام قرطبی مالکی نے فرمایا کہ آیت منقوشہ بالا میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ایسے محتمل الفاظ سے پرہیز کیا جائے گا جس میں تنقیص کا شائبہ ہو۔اسی طرح مذکورہ بالا آیت مبارکہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ سد ذرائع کو اختیار کیا جائے گا، تاکہ ہلاکت میں مبتلا نہ ہو۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ ذریعہ ایسا امر ہے جو خود جائز ہو،لیکن اس کے ارتکاب سے کسی ناجائز امر میں مبتلا ہونے کا خوف ہو۔

چوں کہ مومن بہ کی تنقیص کفر کا سبب ہے،اس لیے مومن بہ کے لیے ایسے الفاظ کا انتخاب کیا جائے گا، جس میں بے ادبی کا شائبہ بھی نہ ہو۔اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات،حضرات انبیائے کرام وملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام،قرآن مجید،ارکان اسلام وجملہ ضروریات دین مومن بہ ہیں۔

لفظ میاں کے متعدد معانی ہیں۔بعض معانی اللہ تعالیٰ پر منطبق ہوتے اور بعض معانی منطبق نہیں ہوتے ہیں،اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ میاں کے استعمال سے منع کیا گیا۔

عام مومنین کے لیے محتمل ومشترک لفظ کا استعمال ہوتا ہے،جیسے لفظ میاں کا استعمال اصحاب فضل کے لیے کیا جاتا ہے۔عہد حاضر میں مشائخ وسجادگان کے لیے لفظ میان کا استعمال عام اور شائع وذائع ہے۔

(ب) کبھی بعض صحیح لفظ بھی مومن بہ کی تنقیص کی نیت سے بولنا کفر کا سبب ہوتا ہے،گرچہ دوسرے اعتبار سے اس کا استعمال کفر نہیں۔حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رشتہ کے اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خسر ہوئے۔اگر کبھی رشتہ بیان کرنے کی ضرورت ہو تو اس کا بیان ہوسکتا ہے۔عام حالات میں حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے شمار اوصاف فاضلہ کو ترک کر کے حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خسر سے تعبیر کرنا یقیناً تنقیص شان کو ظاہر کرتا ہے۔اسی تعبیر کے سبب قتل کا حکم دیا گیا۔

قال القاضی عیاض المالکی:{وَاَفْتٰی فُقَهَاءُ الاندلس بقتل اِبْنِ حَاتِمِ الْمُتَفَقِّهِ الطُّلَیْطُلِیِّ وصَلْبِه بِمَا شُهِدَ عَلَیْهِ به من استخفافه بحق النبی صلی اللّٰه علیه وسلم-وَتَسْمِیَتِه اِیَّاهُ اَثْنَاءَ مُنَاظَرَتِهٖ یَتِیْمٌ وَخَتَنُ حَیْدَرَةَ}(الشفاء:ص940-دارالکتاب العربی بیروت)

قال الخفاجی:((وختن حیدرة)ای قال الطلیطلی انه ختن حیدرة ای ابو زوجته یعنی فاطمة الزهراء-فعبر به عنه صلی الله تعالی علیه وسلم استخفافا به فحکموا بقتله)

(نسیم الریاض: جلد چہارم ص344-دارالکتاب العربی بیروت)

توضیح: علامہ شہاب الدین خفاجی نے رقم فرمایا کہ ابن حاتم طلیطلی نے تنقیص کی نیت سے ایسا کہا،لہٰذا فقہائے اندلس نے ابن حاتم طلیطلی کے قتل کا حکم نافذ فرمایا۔اسی طرح مالک بن نویرہ نے تنقیص کی نیت سے حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو''صاحبکم''کہا تو سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے قتل کا حکم دیا، حالاں کہ قرآن مجید میں حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے''صاحبکم''کا اطلاق وارد ہوا ہے۔

(ما ضل صاحبکم و ماغوی)(سورہ نجم: آیت2)

ترجمہ: تمہارے صاحب نہ بہکے، نہ بے راہ چلے۔(کنزالایمان)

قال الخفاجی: {(واحتج ابراهیم بن حسین بن خالد الفقیه فی مثل هذا)وفی نسخة:علی مثل هذا(بقتل خالد بن الولید)رضی الله تعالی عنه(مالک بن نویرة)علم من تصغیر نار(لقوله النبی صلی الله علیه وسلم:صاحبکم)یعنی به النبی صلی الله تعالی علیه وسلم-وفیه تنقیص له بتعبیره عنه بصاحبکم،دون رسول الله ونحوه-واضافته لهم دونه،المشعر ذلک بالتبری من صحبته صلی الله تعالی علیه وسلم واتباعه واستنکافه-وهو فی غایة الظهور}

(نسیم الریاض شرح الشفا للقاضی عیاض: جلد چہارم ص339-دارالکتاب العربی بیروت)

قال القاری الحنفی:{وسبب ذلک انه منع الزکاة زمن ابی بکر رضی الله تعالی عنه-فارسل الیه خالد بن ولید فی منع الزکاة-فقال مالک:انا آتی بالصلوة دون الزکاة-فقال خالد :أ ما علمت ان الصلوة والزکاة لا تقبل واحدة دون الاخری-فقال مالک:قد کان صاحبکم یقول ذلک-فقال خالد:وما تراه لک صاحبا-والله لقد هممت ان اضرب عنقک -ثم تجادلا فی الکلام-فقال خالد:انی قاتلک-قال:أو بذلک امرک صاحبک؟قال:وهذه بعد تلک-وکان عبد الله بن عمر وابو قتادة الانصاری حاضرین-فکلما خالدا فی امره فکره کلامهما -فقال مالک:یا خالد! ابعثنا الی ابی بکر فیکون هو الذی یحکم فینا-فقال خالد:لا اقالنی الله ان اقتلک-فامر ضرار بن الازور بضرب عنقه}

(شرح الشفا للقاری: جلد چہارم ص339-دارالکتاب العربی بیروت)

توضیح: ایسے استعمال میں اگر توہین کا قصد ہو تو معاملہ بالکل واضح ہے کہ توہین نبوی کفر ہے۔اگر تنقیص کی نیت نہ ہو تو بے شمار اوصاف فاضلہ کو ترک کر کے کسی عام اور مبتذل لفظ کا استعمال بھی بے ادبی کو ظاہر کرتا ہے۔

طارق انور مصباحی

جاری کردہ: 29: نومبر 2020

☆☆☆☆☆

(۱۷)

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ

اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟

(قسط ہشتم)

قسط ہفتم میں اس بات کی وضاحت رقم کی گئی ہے کہ حضرات انبیائے کرام وملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے مطلق لفظ خطا کا استعمال نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ وہ محتمل ہے،اور اس کا بعض معنی، یعنی گناہ کرنا حضرات انبیائے کرام وملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ثابت نہیں، کیوں کہ وہ نفوس قدسیہ معصوم ہیں۔

مومن بہ کی عظمت شان کے پیش نظر ایسے محتمل الفاظ کا استعمال صحیح نہیں،جس کے متعدد معانی میں سے کوئی

معنی مومن بہ کے لیے ثابت نہ ہو،اور وہ تنقیص شان پر دلالت کرے۔

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے خطائے اجتہادی کا استعمال وارد ہوا ہے،یعنی مقید استعمال وارد ہوا ہے۔اسی طرح جہاں قرینہ موجود ہو کہ خطا سے خطائے اجتہادی مراد ہے تو ایسا استعمال بھی وارد ہوا ہے۔مطلق استعمال اور مقید استعمال کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے۔

چوں کہ وہ مقید لفظ ایک ہی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے،اور وہ مفہوم بہت سے علما کی تحقیق کے مطابق حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں ثابت ہے تو اس مقید لفظ کا اطلاق جائز ہوگا۔اب اس وصف سے مقید ہونے کے سبب لفظ خطا محتمل لفظ باقی نہیں رہا،بلکہ متعین فی المفہوم ہو گیا تو اب اس پر محتمل لفظ کا حکم بھی منطبق نہیں ہوگا۔

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجتہاد سے متعلق علمائے اہل سنت وجماعت کے چار قول ہیں۔

(1)حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے خطائے اجتہادی نہیں ہوتی۔علمائے کرام کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔بعض کتابوں میں اسے جمہور کا قول بتایا گیا ہے۔یہ درست نہیں۔

(2)خطائے اجتہادی ہوتی ہے،لیکن اس پر ثبات وقرار نہیں ہوتا،بلکہ رب تعالیٰ وحی کے ذریعہ اپنے حکم سے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مطلع فرما دیتا ہے۔یہ اکثر اہل سنت وجماعت کا قول ہے۔

(3)خطائے اجتہادی ہوتی ہے،اور اس پر ثبات وقرار بھی ہوتا ہے۔یہ قول بعید ومہجور ہے۔

(4)حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطائے اجتہادی نہیں ہوتی،دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجتہاد میں خطا ہوسکتی ہے۔یہ بعض علما کا قول ہے۔

مذکورہ بالا اقوال میں سے قول دوم اکثر اہل سنت وجماعت کا قول ہے۔قول سوم کو المعتقد المنتقد (ص 112-المجمع الاسلامی مبارک پور)میں قول بعید ومہجور کہا گیا۔قول دوم اکثر اہل سنت وجماعت کا قول ہے،پھر وہ بعید ومہجور کیسے ہوسکتا ہے۔اس مقام پر المعتقد المنتقد کی عبارت پر غور کرنے سے بھی واضح ہے کہ وہ قول ثالث سے متعلق ہے،کیوں کہ عہد نبوی کے بعد کے زمانے سے بھی اس بحث کا تعلق ہے۔درج ذیل قول پر بحث ہے۔

{قال العلامة ابن حجر فی تحقیق کلمات الکفر:والذی یظهر انه لو قال:ان کان ما قاله النبی الفلانی صدقا نجوت-یکون کفرًا}(المعتقد المنتقد ص112-المجمع الاسلامی مبارک پور)

یہ عہد رسالت سے متعلق خاص حکم نہیں ہے،بلکہ عام حکم ہے تو گویا عہد رسالت کے بعد بھی کسی نے مذکورہ قول کہا تو حکم کفر ہے۔اس پر بحث کرتے ہوئے یہ بات آئی کہ بعض علما اجتہاد انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں خطا کے قائل ہیں تو اس اعتبار سے اگر کسی قائل نے کہا کہ اگر فلاں نبی کی وہ بات سچی ہو تو میں نجات پا گیا۔

اور جب حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجتہادی قول میں خطا کا احتمال ہے اور اسی احتمال خطا کے سبب اس نے کہا کہ اگر فلاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فلاں قول حق ہے تو میں نجات پا گیا تو اس میں حرج نہیں ہونا چاہئے،کیوں کہ خطائے اجتہادی کا احتمال ہے،اور خطائے اجتہادی کے امکان کے تناظر میں قائل مذکور کا قول درست ہونا چاہئے،کیوں کہ صدق اس کو کہا جاتا ہے جو واقع کے مطابق ہو،اور خطا واقع کے مطابق نہیں ہوتی تو وہ صدق نہیں ہوگی،گرچہ اس کو کذب بھی نہیں کہا جائے گا،کیوں کہ قصداً خلاف واقع بات کہنا کذب ہے اور بلا قصد خلاف واقع بات کہنا خطا ہے،پس کذب اور خطا میں فرق ہے۔یہ اسلامی اصطلاح ہے۔

اب بتایا جائے کہ قول دوم کے مطابق یہاں اجتہادی خطا کی بات صحیح ہوگی، یا قول سوم کے مطابق؟

قول دوم کے مطابق قائل مذکور کا قول عہد رسالت کے بعد یقیناً غلط ہے، کیوں کہ قول دوم میں یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خطائے اجتہادی کی صورت میں رب تعالیٰ مطلع فرما دیتا ہے، اوران کی حیات طیبہ ہی میں خطائے اجتہادی زائل ہوجاتی ہے تو عہد نبوی کے بعد کوئی ایسا قول مصطفوی باقی نہیں رہے گا جس میں خطائے اجتہادی کا احتمال ہو، اور جس اجتہادی حکم سے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم نازل نہیں فرمایا تو عدم نزول حکم اس اجتہادی قول کے صحیح ہونے کی قطعی دلیل ہوگی۔

اسی طرح دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے متعلق بھی یہ قول ان کی حیات طیبہ کے بعد یقیناً غلط گا، کیوں کہ اطلاع خداوندی سے ان حضرات قدسیہ کی حیات طیبہ ہی میں خطائے اجتہادی زائل ہوجاتی ہے۔

قول ثالث کے مطابق چوں کہ اجتہادی خطا پر حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ثبات وقرار صحیح ہے تو ان نفوس قدسیہ کے وصال کے بعد محض اسی قول ثالث کے تناظر میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ چوں کہ اجتہادی خطا پر حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ثبات وقرار صحیح ہے تو کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد بھی کسی نے اس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجتہادی حکم سے متعلق ایسی بات کہی تو اس قول کے صحیح ہونے کا امکان ہے، لیکن وہ امکان واحتمال مذکورہ قول میں فقہا کے یہاں قبول نہیں۔

جب محض قول ثالث کے مطابق قائل مذکور کے قول کی صحت کا امکان ہے تو اسی قول ثالث کا بعید ومہجور ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ اگر کوئی قول دوم کے مطابق قائل مذکور کے قول کی صحت کو ثابت کرے گا تو جواب دیا جائے گا کہ جب اس قول کے مطابق کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خطائے اجتہادی پر ثبات وقرار درست ہی نہیں تو کسی خاص نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد اس قول دوم کے مطابق ان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی قول سے متعلق قائل مذکور کے قول کی صحت کا امکان ہی نہیں۔

جب قول کو بعید ومہجور بتا کر جواب دیا جارہا ہے تو واضح ہے کہ جس قول کے مطابق قائل مذکور کے قول کی صحت کا امکان ہے، اسی قول کو بعید ومہجور بتایا جارہا ہے۔ علامہ بدایونی قدس سرہ العزیز کی عبارت درج ذیل ہے۔ ہماری محررہ بالا تشریح کے مطابق منقولہ ذیل عبارت پر غور کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ حق واضح ہوجائے گا۔

{قال العلامة ابن حجر فی تحقیق کلمات الکفر: والذی یظهر انه لوقال: ان کان ما قاله النبی الفلانی صدقًا نجوت-یکون کفرًا،ایضًا-ولا یشترط ذکر ذکر جمیع الانبیاء-ولا ان یکون ما قال ذلک النبی یقطع بانه عن وحی.

فان قلت: للانبیاء الاجتهاد-وجری قول فی انه یجوز علیهم الخطأ فی الاجتهاد-فاذا قال ذلک فی شیء یحتمل کونه ناشئا عن اجتهاد،لا وحی ،کیف یکفر به؟

قلت: القول بعدم الکفر حینئذ وان کان له نوع من الظهور-لکن القول بالکفر اظهر.

لأن الاتیان ب''ان''التی هی للشک والتردد فی هذا المقام یشعر بتردده فی تطرق الکذب الی ذلک النبی-وهذا کفر.

غیر ان القول بجواز الخطأ علیهم فی اجتهادهم قول بعید مهجور-فلا یلتفت الیه-و علی التنزل فقوله:''ان کان صدقا''یدل کما تقرر علی تردده فی الکذب-وهو غیر الخطأ.

لأن الخطأ ذكر خلاف الواقع مع عدم التعمد-بخلاف الكذب،فانه يدل شرعاً على الاخبار بخلاف الواقع تعمدا-فيصح الكفر بذلک-وان قلنا بهذا القول المهجور-لأن قوله:"ان کان صدقا"-لا يتأتى بناؤه عليه لما تقرر واتضح-ولله الحمد}

(المعتقد المنتقدص112-المجمع الاسلامی مبارک پور)

توضیح: قائل مذکور کے کافر ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس کے قول میں لفظ"اِنْ" کا استعمال ہوا ہے اور مذکورہ لفظ شک وتردد کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔تو گویا قائل ان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کی صداقت وسچائی میں شک کررہا ہے اوراس قول میں معاذ اللہ تعالیٰ ان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کذب کو منسوب کررہا ہے،اور کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدق وسچائی میں شک کرنا اوران کی طرف کذب کومنسوب کرنا کفر ہے،پس ان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدق میں شک وتردد کے سبب قائل مذکور کافر ہوگا۔

بالفرض اگر خطائے اجتہادی سے متعلق قول ثالث کوتسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی قائل مذکور فقہا کے یہاں کفر سے نہیں بچ سکے گا،کیوں کہ قول مذکور سے کذب نبی ظاہر ہورہا ہے،نہ کہ وقوع خطا،اور کذب وخطا میں فرق ہے۔

صدق کے بالمقابل کذب آتا ہے۔جب قائل مذکور نے صدق کومشکوک قرار دیا تو کذب کی صورت پیدا ہوئی۔خطا کے بالمقابل صحت ہے۔اگر قائل مذکور کہتا"ان کان ما قاله النبی الفلانی صحیحا نجوت"۔

تب خطائے اجتہادی مراد لینے کا احتمال ہوتا،لیکن نہ قائل نے ایسا لفظ کہا،نہ ہی یہاں خطائے اجتہادی مراد لینے کا احتمال ظاہر ہو پایا۔گرچہ یہاں خطائے اجتہادی مراد لینے کا احتمال بعید ہے،لیکن احتمال بعید فقہا کے یہاں مقبول نہیں،پس اصول فقہا کے طور پر حکم کفر عائد ہو جائے گا:واللہ تعالیٰ اعلم

قول دوم کی دلیل

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے متعلق خطائے اجتہادی کا قول صحیح ہے،لیکن اس پر ثبات وقرار کا قول درست نہیں،بلکہ رب تعالیٰ وحی کے ذریعہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کواس باب میں اپنے حکم سے مطلع فرمادیتا ہے۔یہ اکثر اہل سنت وجماعت کا قول ہے۔

علامہ بحر العلوم عبد العلی فرنگی محلی قدس سرہ القوی نے رقم فرمایا:{(هل يجوز عليه)صلى الله عليه وعلى آله واصحابه وسلم(الخطأ)في اجتهاده وكذا في اجتهاد سائر الانبياء(فالاكثر)من اهل السنة قالوا: (نعم)يجوز-(وقيل:لا)يجوز-ونقل هذا النفي عن الروافض ايضا(اما انه لا يقرر عليه فاتفاق)}(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت جلد دوم:ص411-دارالکتب العلمیہ بیروت)

خطائے اجتہادی کا اطلاق

علمائے سلف وخلف کی تحریروں میں حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واسطے خطائے اجتہادی کے لفظ کا اطلاق وارد ہے۔حالیہ چند ماہ میں علمائے کرام نے اپنے مقالات ومضامین میں اسلاف کرام کی بہت سی عبارتیں نقل فرمادی ہیں،ان سے استفادہ کریں۔ایک مثال مندرجہ ذیل ہے۔

صدر الافاضل حضرت علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ العزیز نے سورہ بقرہ:آیت 36 کی تفسیر میں تحریر فرمایا:"یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے اجتہاد میں خطا ہوئی،اور خطائے اجتہادی معصیت نہیں ہوتی"۔

(خزائن العرفان:سورہ بقرہ:آیت 36)

قرینہ کے ساتھ لفظ خطا کا مطلق استعمال

اگر قرینہ موجود ہو کہ لفظ خطا سے اجتہادی خطا مراد ہے تو ایسے مقام پر لفظ خطا کا مطلق استعمال وارد ہے۔

امام ابوالبرکات نسفی (م 710ھ) نے رقم فرمایا:{ولنا قوله تعالی:(ففهمناها سليمان)ای الحكومة والفتوىٰ،او القصة-واذا اختص سليمان بالفهم-وهو اصابة الحق بالنظر فی الحق كان الاٰخر خطأ-و ما قضی داؤد،كان رأيا-اذ لو كان وحيا لما حل لسليمان مخالفته-ثم تخصيص سليمان بفهم القضية يقتضی ان يكون الاٰخر خطأ}

(کشف الاسرار شرح المنار جلد دوم ص 304-305-دار الکتب العلمیہ بیروت)

توضیح: مسلم الثبوت کی منقولہ بالاعبارت میں بھی لفظ خطا کا مطلق استعمال وارد ہے۔چوں کہ وہاں اجتہاد کی بحث ہے تو خطائے اجتہادی مراد ہونے پر واضح قرینہ موجود ہے۔

بوجہ ضرورت فعل خطا کا مطلق استعمال

ملا احمد جیون جون پوری قدس سرہ القوی کی درج ذیل عبارت میں خطائے اجتہادی کی نسبت حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کی گئی ہے۔اس میں فعل کا مطلق استعمال ہے، کیوں کہ کوئی ایسا خاص فعل نہیں جو خطائے اجتہادی کے معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔یہاں قرینہ موجود ہے کہ اجتہادی خطا مراد ہے۔

{وقد وقعت فی زمان داؤد وسليمان عليهما السلام حادثة رعی الغنم حرث قوم، فحكم داؤد عليه السلام بشئ و اخطأ فيه-وسليمان عليه السلام بشئ آخر-واصاب فيه-فيقول اللّٰه تعالی حكاية عنهما:((ففهمناها سليمان وكلا آتينا حكما وعلما))ای ففهمنا تلك الفتوی سليمان آخر الامر-وكل واحد من داؤد وسليمان آتينا حكما وعلما فی ابتداء المقدمات-فعلم من قوله:((ففهمناها)ان المجتهد يخطئ ويصب.

ومن قوله:(وكلا آتينا) انهما مصيبان فی ابتداء المقدمات-وان اخطأ داؤد فی آخر الامر-والقصة مع الاستدلال مذكورة فی الكتب}

(نور الانوار جلد دوم ص 304-310-دار الکتب العلمیہ بیروت)

طارق انور مصباحی

جاری کردہ: 30: نومبر 2020

☆☆☆☆☆

(۱۸)

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ

اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟

(قسط نہم)

سوال اول: متکلم نے اپنے 18: جون 2020 کے خطاب میں کہا کہ ہم عام حالات میں یا واقعہ

باغ فدک کے ذکر کے موقع پر بھی حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے لفظ خطا کے استعمال کو درست نہیں سمجھتے اور صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق روافض کے طعن کو دفع کرنے کے واسطے بوجہ حاجت لفظ خطا کا استعمال کرتے ہیں تو سوال ہے کہ ایک ہی لفظ کا استعمال کبھی صحیح اور کبھی غلط ہو، ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟

جـــــواب: متعدد ایسے امور ہیں کہ عام حالات میں ان کا ذکر حرام و ناجائز ہے اور بوقت حاجت و ضرورت اس کا ذکر جائز ہے۔ متکلم نے انہی مسائل کے پیش نظر ایسا بیان دیا ہے۔ اس سے متکلم کا حسن اعتقاد بالکل ظاہر ہے۔ اس حسن اعتقاد کے سبب متکلم کی تحسین ہونی چاہئے، نہ کہ تنقید۔

(۱) صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان نے رقم فرمایا: ''انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جو لغزشیں واقع ہوئیں، ان کا ذکر تلاوت قرآن وروایت حدیث کے سوا حرام اور سخت حرام ہے''۔

(بہار شریعت حصہ اول ص 88 - مجلس المدینۃ العلمیہ: دعوت اسلامی)

توضیح: منقولہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ بعض امور کا ذکر بعض اوقات میں جائز ہے اور بعض اوقات میں ناجائز۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ غیر معصومین کے لیے لفظ خطا کے استعمال میں شرعی طور پر یہ صورت موجود ہے یا نہیں؟ یہ ایک مستقل بحث ہے۔ قسط ہفتم وقسط ہشتم ودیگر قسطوں میں وضاحت پیش کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور حضرات انبیائے کرام وملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ السلام کے لیے محتمل لفظ کا استعمال نہیں ہوگا۔ مومن بہ کے علاوہ یعنی مومنین کے لیے محتمل لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔

نیز اگر تمام اوقات میں لفظ خطا کا استعمال غیر معصومین کے لیے جائز ہو، اور کوئی اس کے استعمال سے پرہیز کرے تو کوئی حرج نہیں۔ جائز لفظ کا استعمال واجب نہیں ہے کہ عدم استعمال پر گناہ ہو جائے۔

(۲) حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے رقم فرمایا: ''صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم انبیا نہ تھے، فرشتہ نہ تھے کہ معصوم ہوں، ان میں بعض کے لیے لغزشیں ہوئیں، مگر ان کی کسی بات پر گرفت اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے خلاف ہے''۔ (بہار شریعت: حصہ اول ص 254 - مجلس المدینۃ العلمیہ: دعوت اسلامی)

توضیح: خاتون جنت حضرت سیدہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ طلب میراث میں تسامح کا ذکر روافض کی جانب سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر وارد شدہ طعن کے جواب کے واسطے کیا جاتا ہے، نہ کہ گرفت کے واسطے تو واقعہ فدک کے ذکر کو گرفت میں شمار نہیں کیا جاسکتا، اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ بلا ضرورت ایسے امور کا ذکر نہ کیا جائے، کیوں کہ بلا حاجت ایسے امور کا ذکر گرفت میں شمار ہوگا۔

ممکن ہے کہ متکلم نے 18: جون 2020 کے خطاب میں اسی مفہوم کو بیان کیا ہو کہ صرف خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رافضی طعن کی تردید کے واسطے دقیق حقائق پیش کیے جاسکتے ہیں، ورنہ ایسے امور کے عمومی ذکر سے شیطان کسی قاری کا ذہن غلط رخ پر ڈال سکتا ہے تو اس سے بچنا ہوگا۔

لفظ خطا اور لفظ باغی کا فرق

فریق دوم نے لفظ خطا کو لفظ باغی کے مماثل قرار دیا، حالاں کہ قانونی طور پر مماثلت ثابت نہیں۔ لفظ باغی منقولات شرعیہ میں سے ہے۔ اس کا معنی اول جدید شرعی اصطلاح میں بدل چکا ہے اور لفظ خطا آج بھی الفاظ محتملہ میں سے ہے۔ نہ لفظ خطا کے معانی بدلے ہیں، نہ ہی کسی ایک معنی میں اس کا استعمال خاص ہوا ہے۔

صحابی رسول حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ برحق شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے مخالفت کی، لیکن وہاں اجتہادی خطا کے سبب مخالفت تھی۔ وہاں گناہ کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اس مخالفت کو پہلے بغاوت کہا جاتا تھا،لیکن بعد میں علمائے اسلام نے اس مخالفت کو بغاوت سے تعبیر کرنا ناجائز قرار دے دیا، کیوں کہ بعد میں بغاوت کا مفہوم بدل گیا،اسی لیے اب ان نفوس قدسیہ کو باغی نہیں کہا جائے گا۔اب باغی کی جگہ کوئی دوسرا لفظ استعمال کرنا ہوگا۔صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان نے صحابی رسول حضرت طلحہ وحضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''عرف شرع میں بغاوت مطلقاً مقابلہ امام برحق کو کہتے ہیں۔عناداً ہو،خواہ اجتہاداً۔ان حضرات پر بوجہ رجوع اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔گروہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حسب اصطلاح شرع اطلاق فئہ باغیہ آیا ہے،مگراب کہ باغی بمعنی مفسد ومعاند وسرکش ہوگیا اور دشنام سمجھا جاتا ہے۔اب کسی صحابی پر اس کا اطلاق جائز نہیں''۔(بہار شریعت: حصہ اول ص260-مجلس المدینۃ العلمیہ : دعوت اسلامی)

اب سوال یہ ہے کہ کیا لفظ باغی کی طرح ارباب فضل وکمال کے لیے لفظ خطا کا بھی استعمال نہیں ہونا چاہئے ،گرچہ لفظ خطا سے وہاں گناہ مراد نہ ہو، بلکہ بھول چوک،سہوونسیان وغیرہ مراد ہو۔دراصل ہندوپاک میں اردو زبان مروج ہے۔اردو کے مشہور لغت فیروز اللغات میں لفظ خطا کے متعدد معانی مرقوم ہیں۔یہ مشترک لفظ ہے۔اردو زبان میں غلطی،سہو،بھول،چوک کے معنی میں اس کا استعمال مشہور ہے۔

لفظ خطا کے معانی:

(۱)قصور،گناہ،جرم،تقصیر(۲)غلطی،سہو،بھول،چوک۔(فیروز اللغات:فصل خ ط)

لفظ باغی منقولات شرعیہ میں سے

بغاوت کا پہلا معنی:امام برحق کی مخالفت ومقابلہ،خواہ عناد کے سبب ہو،یا اجتہاد کے سبب۔

بغاوت کا دوسرا معنی:مفسد ومعاند وسرکش۔یہ اہل شرع ہی کی اصلاح جدید ہے۔اب اصطلاح شرع میں اس کو باغی کہا جاتا ہے جو امام برحق کے خلاف ناحق خروج کرے۔اگر حق کے سبب خروج ہو تو بغاوت نہیں۔

قال الحصکفی:{وشرعا(هم الخارجون عن الامام الحق بغیر حق)فلو بحق فلیسوا ببغاة}
(الدرالمختار ج4ص448-دارالفکر بیروت)

قال الشامی: {قوله:بغیر حق ای فی نفس الامر-والا فالشرط اعتقادهم انهم علی حق بتاویل-والا فهم لصوص}(ردالمحتار ج16ص375-مکتبہ شاملہ)

توضیح:علامہ شامی کی مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہوگیا کہ یہ باغی لوگ حقیقت میں غلط راہ پر ہوتے ہیں ،گرچہ وہ شبہہ فاسدہ کے سبب خود کو حق سمجھتے ہوں، بلکہ انہیں خود کو حق سمجھنا شرط ہے،ورنہ ان کا شمار چوروں اورڈاکوؤں میں ہوگا۔دوسری بات یہ ہے کہ اگر حقیقت میں خلیفہ ہی غلط راہ پر ہو تو پھر وہ امام عدل نہیں اور یہ لوگ باغی نہیں۔دراصل ظالم خلیفہ کے خلاف خروج بغاوت نہیں، پھر یہ دفع ظلم کی ایک کوشش کہی جاسکتی ہے۔

قال الشامی: {وفی الاختیار:اهل البغی کل فئة لهم منعة یتغلبون ویجتمعون ویقاتلون اهل العدل بتاویل-یقولون:الحق معنا-ویَدَّعُوْنَ الولایة}(ردالمحتار ج16ص377-مکتبہ شاملہ)

توضیح:اہل بغاوت حکومت کے دعویدار ہوتے ہیں اور حاکم اسلام کو اپنے شبہہ فاسدہ کے سبب نااہل سمجھتے ہیں۔

قال الشامی:{قوله:وتمامه فی جامع الفصولین)حیث قال فی اول الفصل الاول-بیانه ان

المسلمين اذا اجتمعوا علٰی امام وصاروا آمنين به–فخرج عليه طائفة من المؤمنين–فان فعلوا ذلک لظلم ظلمهم به فليسوا من اهل البغی–وعليه ان يترک الظلم وينصفهم.

ولا ينبغی للناس ان يعينوا الامام عليهم–لان فيه اعانة علی الظلم–ولا ان يعينوا تلک الطائفة علی الامام ايضًا–لان فيه اعانة علی خروجهم علی الامام.

وان لم يکن ذلک لظلم ظلمهم–ولکن لدعوی الحق والولاية –فقالوا: الحق معنا–فهم اهل البغيی– فعلی کل من يقوی علی القتال،ان ينصروا امام المسلمين علی هؤلاء الخارجين– لانهم ملعونون علی لسان صاحب الشرع–قال عليه الصلوٰة والسلام:(الفتنة نائمة لعن اللّٰه من ايقظها}(ردالمحتارج16ص376-مکتبہ شاملہ)

توضیح:مذکورہ بالاعبارتوں سے واضح ہوگیا کہ اب اگرکوئی اجتہاد کے سبب امام برحق کے خلاف خروج کرے تواس کا شمار باغیوں میں نہیں ہوگا، بلکہ باغی وہ ہوگا جوناحق فاسد شبہہ کے سبب امام برحق کی مخالفت کرے۔

مذکورہ تعریف کے مطابق حکم شرع کی خلاف ورزی کرتے ہوئے امام برحق کے مقابلے پراترنا،اورکسی فاسد شبہہ کوپیش کرکے اپنے حق ہونے کا دعویٰ کرنا بغاوت ہے۔اگرحقیقت میں باغیوں کا کوئی شبہہ تھا تو امام برحق کے سامنے پیش کرنا تھا،تاکہ اس کا حل نکل سکے۔

باغی کی مذکورہ وضاحت کے مطابق اجتہاد کے سبب خروج کرنے والا باغیوں میں شامل نہیں ہوگا،کیوں کہ جدید اصطلاح کے اعتبار سے ہر باغی فاسق ہے،جب کہ اجتہاد کرنے والا فاسق نہیں ہوتا،بلکہ اسے اپنے اجتہاد پراجر ملتا ہے۔اگراجتہاد صحیح ہےتو دواجر،ورنہ ایک اجر ملتا ہے۔جس کام پر اجر ملے،وہ فسق نہیں ہوسکتا۔

الحاصل لفظ باغی کا مفہوم اہل شرع کے یہاں بدل چکا ہے،اسی لیےاس کا اطلاق ان حضرات پرنہیں ہوگا جواجتہاد کے سبب امام برحق کے مقابلے پراترے،لیکن لفظ خطا کے مفہوم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔لفظ خطا آج بھی متعدد معانی کا محتمل ہےتو لفظ باغی کا حکم لفظ خطا پر جاری نہیں ہوگا۔اہل فضل کے لیےلفظ خطا کا استعمال پہلے جائز تھاتو آج بھی جائز رہے گا،جب تک کہ ممانعت کی کوئی وجہ صحیح موجود نہ ہو۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ لفظ باغی کا استعمال اب ناجائز ہوگیا تو لفظ خطا کا استعمال بھی ناجائز ہوجائے گا۔لفظ باغی کے اطلاق کی ممانعت کا سبب موجود ہے اورغیر مومن بہ کے لیےلفظ خطا کے اطلاق کی ممانعت کی دلیل موجود نہیں:واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

طارق انور مصباحی

جاری کردہ:یکم دسمبر2020

☆☆☆☆☆

مبسملا وحامدا::ومصلیا ومسلما

اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟

(قسط دہم)

متکلم پر ضلالت وگمرہی کا فتویٰ شرعی اصول وضوابط کے خلاف

فریق دوم نے متکلم کی گمرہی وضلالت ثابت کرنے میں شرعی اصول وقوانین کا لحاظ نہیں کیا۔ بفرض محال اگر حضرت سیدہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حق میں لفظ خطا کو استعمال کرنا سب وشتم شمار بھی کر لیا جائے، پھر بھی متکلم پر ضلالت وگمرہی کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔فریق دوم سے اصول کے استعمال میں خطا ہوگئی۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو سب وشتم کرنا فی حد ذاتہ ناجائز وحرام ہے۔ یہ فی حد ذاتہ کفر یا ضلالت نہیں، بلکہ یہ شعار رافضیت ہونے کے سبب ضلالت وگمرہی کی علامت ہے،اسی وجہ سے مرتکب کو ضال وگمراہ کہا جاتا ہے۔حضرات اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو سب وشتم کرنا فی نفسہ ناجائز وحرام ہے،اور شعار ناصبیت ہونے کے سبب ضلالت وگمرہی کی علامت ہے،اسی وجہ سے مرتکب کو ضال وگمراہ کہا جاتا ہے۔اس کی تفصیل قسط پنجم وقسط ششم میں مرقوم ہے۔

شعار کا حکم یہ ہے کہ جس غیر سنی کلمہ گو جماعت کا ایسا شعار اپنایا جو کفر یا ضلالت نہیں تو اگر مرتکب اس جماعت کا فرد ہونے کا منکر ہے،یا قرینہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس جماعت کا فرد ہونے کا منکر ہے تو اس پر اس شعار کو اپنانے کے سبب ضلالت کا حکم نافذ نہیں ہوگا۔ہاں،ممنوع امر کے ارتکاب کے سبب گنہ گار ہوگا۔

مشابہت وفردیت کے مختلف احکام

کسی قوم کا شعار اپنانا الگ ہے اور اس قوم کا فرد ہونا الگ ہے۔کسی قوم کا ایک شعار اپنایا تو بھی اس قوم سے مشابہت ثابت ہوگئی۔اب مشابہت کا حکم عائد ہوگا،یعنی کسی غیر مسلم جماعت کا کوئی مذہبی شعار اپنایا،جیسے زنار باندھنا تو مرتکب پر حکم کفر عائد ہوگا۔

اگر وہ کسی غیر مسلم جماعت کا مذہبی شعار نہیں، بلکہ محض قومی شعار ہے،اور وہ امر فی نفسہ جائز ہے تو اس کو اختیار کرنا ممنوع ہوگا،جیسے مجوسیوں کا خاص لباس پہننا،جو ستر پوشی کرے،لیکن مجوسیوں کا قومی شعار ہو۔

اگر کسی کلمہ گو غیر سنی جماعت کا شعار اپنایا،خواہ وہ کلمہ گو فرقہ مرتد ہو،یا محض گمراہ،اور وہ شعار فی نفسہ کفر یا ضلالت نہیں تو وہ مرتکب مشابہت کے سبب گمراہ قرار دیا جائے گا،جیسے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو سب وشتم کرنا شعار رافضیت ہے اور عہد حاضر کے روافض مرتد ہیں،اور حضرات صحابہ کرام کو سب وشتم کرنا فی حد ذاتہ کفر یا ضلالت نہیں، بلکہ ناجائز وحرام ہے تو بھی اس شعار کو اختیار کرنے والا گمراہ قرار پائے گا۔

اگر کسی کلمہ گو غیر سنی جماعت کے شعار کو اپنانے والا اس جماعت کا فرد ہونے سے انکار کرے،یا قرینہ انکار پر دلالت کرے تو اس شعار کو اختیار کرنے والا گمراہ شمار نہیں کیا جائے گا۔

کسی جماعت کا فرد ہونا متعدد امور سے ثابت ہوگا:(1)اس جماعت کے عقائد کو ماننا(2)اس جماعت

کا فرد ہونے کا اقرار کرنا (3) اس جماعت کے مذہبی شعار کو اپنانا، اور اس جماعت کا فرد ہونے سے انکار نہ کرنا، یا انکار پر کوئی قرینہ نہ ہونا (4) کسی جماعت میں شمولیت کی بات کہنا۔

اس بحث میں جن امور کا اجمالی ذکر ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ رسالہ: احکام دیوبندیہ میں ان کی تفصیل مرقوم ہوگی۔اس رسالے میں دیوبندی عوام کے کفر وایمان سے متعلق مباحث ہیں۔یہ رسالہ زیر ترتیب ہے۔

شعار بدمذہبیت کو اپنانا اور بدمذہبیت کا انکار کرنا

شعار کفر اختیار کرنے والے کا حکم یہ ہے کہ وہ کافر ہے، گر چہ وہ اسلام کے تمام احکام کا اقرار کرتا ہو، اور کفر کے تمام باطل اعتقادات کا انکار کرتا ہو۔شعار بدمذہبیت کا یہ حکم نہیں۔اگر کوئی شعار بدمذہبیت کو اپنایا، لیکن اس نے شعار بدمذہبیت سمجھ کر نہیں اپنایا، بلکہ اپنی تحقیق یا کسی کی تحریر وتقریر کے سبب اسے مغالطہ ہوگیا تو گر چہ یہ شعار بدمذہبیت کو اپنایا ہے، لیکن چوں کہ اس بدمذہب جماعت سے کوئی تعلق نہیں، اسے بدمذہب ہی سمجھتا ہے ، اور ان بدمذہبوں کا جو حکم ہے، یعنی کفر یا ضلالت، وہ ان بدمذہبوں کو حکم شرعی کے مطابق کافر یا گمراہ سمجھتا ہے تو اس آدمی کو اس بدمذہب جماعت کا فرد نہیں سمجھا جائے گا، نہ ہی اسے سنیت سے خارج مانا جائے گا۔

(الف) شعار وہابیت کے ساتھ انکار وہابیت ہو تو حکم وہابیت نہیں

اگر کوئی دیوبندیت اور وہابیت کا انکار کرتا ہے۔وہابیہ کو گمراہ اور دیوبندیوں کو مرتد جانتا ہے، لیکن بعض شعار اہل سنت کو غلط کہتا ہے تو سنیت سے خارج نہیں ہوگا، گر چہ شعار سنیت کا انکار شعار وہابیت ہے۔جب وہابیت سے صریح انکار ہو جائے تو انکار کے اعتبار سے حکم نافذ ہوگا۔

فتاویٰ رضویہ سے ایک سوال وجواب کا ضروری حصہ اور ایک سوال وجواب مکمل مندرجہ ذیل ہیں۔

سوال: جو تعزیہ بنانے والے کو کافر اور اس کی اولاد کو حرامی اور قیام مولود کو بدعت سیئہ اور حاضری عرائس بزرگان کو فعل لغو سمجھتا ہے، وہ شخص کیسا ہے۔سنی حنفی ہے، یا نہیں؟

امام احمد رضا قادری نے جواب میں رقم فرمایا: ’’قیام مجلس مبارک کو بدعت سیئہ اور حاضری اعراس طیبہ کو لغو سمجھنا شعار وہابیہ ہے، اور وہابیہ سنی کیا، مسلمان بھی نہیں کہ اللہ ورسول کی علانیہ توہین کرتے ہیں اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: **قل ا باللّٰہ و آیاتہ ورسولہ کنتم تستھزؤن: : لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم۔**

ان سے فرمادو: کیا اللہ اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کرتے تھے۔بہانے نہ بناؤ، تم کافر ہو چکے، اپنے ایمان کے بعد۔

ہاں بالفرض اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ وہابیت و وہابیہ سے جدا ہو۔وہابیہ کو گمراہ و بددین، دیوبندیہ کو کفار مرتدین جانتا مانتا ہو، صرف قیام وعرس میں کلام رکھتا ہو تو محض اس وجہ پر اسے سنیت وحنفیت سے خارج نہ کہا جائے گا، مگر آج کل یہ فرض از قبیل فرض باطل ہے۔آج وہ کون ہے کہ ان میں کلام کرے، اور ہو سنی: اللّٰھم، مگر بہ تقیہ کہ وہابیہ میں روافض سے کچھ کم نہیں‘‘۔ (فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم: ص 73-رضا اکیڈمی ممبئی)

توضیح: قیام وعرس پر اعتراض کے سبب جو حکم از روئے شرع عائد ہوتا ہے، وہ حکم نافذ ہوگا، لیکن اس کو وہابی نہیں سمجھا جائے گا، کیوں کہ وہ وہابیت و وہابیہ سے جدا ہے۔وہابیوں کو گمراہ اور دیوبندیوں کو کافر مانتا ہے تو یہ اپنے دیوبندی اور وہابی ہونے کا انکار ہے۔انکار ہو جانے پر محض شعار کے سبب اس کو وہابی نہیں کہا جا سکتا۔

مسئلہ: از قصبہ شیش گڑھ ڈاک خانہ خاص بریلی: مسؤلہ سید محمد سجاد حسین صاحب - 29 محرم الحرام 1337ھ

(1) زید باوجود ادعائے صدیق الوارثی کے اسماعیل دہلوی کو حضرت مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھتا ہے۔

(2) بکر اپنے آپ کو چشتی حیدری بتاتا ہے اور مندرجہ ذیل امور پر اعتقاد رکھتا ہے، یعنی مسلمان جو حضرات پیرانِ پیر جناب شیخ سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گیارہویں شریف مقرر کر کے ان کی رُوح پرفتوح کو ثواب پہنچاتے ہیں، اس کی بابت کہتا ہے کہ گیارہویں تاریخ مقرر کرنا مذموم ہے۔

ماہِ رجب کی بابت لکھتا ہے کہ اس ماہ کے نوافل، صلوٰۃ وصوم وعبادت کے متعلق بڑے بڑے ثوابوں کی بہت سی روایتیں ہیں، اُن میں صحیح کوئی بھی نہیں، اور یہ بات بالکل غلط اور بے سند ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم ماہِ رجب میں ہوا تھا۔ ماہِ شعبان میں حلوا پکانا یا تیرھویں کو عرفہ کرنا، عید کے دن کھانا تقسیم کرنا ممنوع ہے۔ ماہِ محرم میں کھچڑا یا شربت خاص کر کے پکانا، پلانا اور اماموں کے نام کی نیاز دلانا اور سبیل لگانا بہت بری بدعتیں ہیں۔ ماہِ صفر میں کسی خاص ثواب یا برکت کا خیال رکھنا جہل ہے۔

سید احمد رائے بریلوی کو نیک، بزرگ، بلکہ ولی جانتا ہے، پس کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایسے اشخاص کے حق میں کہ ان کا اصلی مذہب کیا ہے؟ اور امور مذکورہ بالا کی اصلیت مفصل طور سے تحریر فرمائی جائے۔

الجواب:

(1) صورت مذکورہ میں زید گمراہ بددین نجدی اسمٰعیلی ہے اور بحکم فقہائے کرام اس پر حکمِ کفر لازم، جس کی تفصیل کتاب الکوکبۃ الشہابیۃ فی کفریات ابی الوھابیہ سے ظاہر: واللہ تعالیٰ اعلم۔

(2) بکر ہوشیار وہابی معلوم ہوتا ہے۔ گیارہویں شریف کو مذموم، شعبان کے حلوے، تیرہویں کے عرفے، عید کے کھانے کو مطلقاً بلا ممانعت شرعی ممنوع محرم شریف کے کھچڑے، شربتِ ائمہ اطہار کی سبیل کو مطلقاً بدعتِ شنیعہ کہنا شعارِ وہابیہ ہے، اور وہابیہ گمراہ، بددین۔

احادیثِ اعمال رجب کو صحیح نہ کہنا بڑی چالا کی ہے۔ اصطلاح محدثین کی صحت یہاں درکار نہیں۔ فضائلِ اعمال میں ضعاف بالاجماع مقبول ہیں۔ رجب میں کشتی بنانے کا حکم نہ ہوا تھا، بلکہ رجب میں کشتی چلی اور اعدا پر قہر اور محبوبوں پر "وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوٰحٍ وَّ دُسُرٍ :: تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ" کا فضل اسی مہینہ میں ظاہر ہوا۔ یہ عبداللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثوں سے ثابت ہے۔ صفر و سرُمہ عاشورہ کی نسبت اس کا قول رَد نہ کیا جائے، اگرچہ ثانی میں اختلاف کثیر ہے۔

اگر صراط مستقیم کے کلماتِ باطلہ کو باطلہ، کفریہ کو کفریہ، اسماعیل دہلوی کو گمراہ بددین جانتا ہے، وہابیت سے جدا ہے تو سید احمد کو صرف بزرگ جاننے سے وہابی نہ ہوگا۔ ورنہ وقد بینا الایات لقوم یعقلون کماھدانا ربنا تبارک وتعالیٰ عمایصفون: واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم: ص 72 - رضا اکیڈمی ممبئ)

سوال: جب سید احمد رائے بریلوی بھی اسماعیل دہلوی کے عقیدہ پر تھا تو وہ بھی گمراہ اور کافر فقہی ہوگا، پھر اس کو بزرگ ماننے والا وہابی کیوں نہیں ہوگا؟

جواب: اس نے اسماعیل دہلوی کے غلط عقائد ونظریات کو تسلیم نہیں کیا اور انہی عقائد ونظریات کو ماننا دراصل وہابیت ہے تو اس نے وہابیت سے انکار کر دیا۔ اب اس پر حکم وہابیت عائد نہیں ہوگا۔

ہاں، کافر فقہی کو کافر فقہی نہ ماننے والا کافر فقہی ہوگا، اور گمراہ کو گمراہ نہ ماننے والا گمراہ ہوگا۔کوئی سنی کہلانے والا اسماعیل دہلوی کو گمراہ نہ مانے تو گمراہ ہوگا،لیکن وہ وہابی نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ وہابیوں کے عقائد باطلہ کو نہیں مانتا ۔وہابی پیشوا یعنی اسماعیل دہلوی کو اپنا پیشوا نہیں مانتا ہے۔گرچہ شعار وہابیت کو اختیار کیا،لیکن وہ وہابیت کا انکار کرتا ہے۔اپنے وہابی ہونے کا اقرار نہیں کرتا تو وہ وہابی نہیں، گرچہ رائے بریلوی کو بزرگ سمجھنے کے سبب گمراہ ہے۔

(ب) شعار رفض کے ساتھ انکار رافضیت پر قرینہ ہو تو حکم رافضیت نہیں

امام احمد رضا قادری نے رقم فرمایا:''شہادت نامے نثر یا نظم جو آج کل عوام میں رائج ہیں، اکثر روایات باطلہ و بے سروپا سے مملو،اور اکاذیب موضوعہ پر مشتمل ہیں،ایسے بیان کا پڑھنا سننا وہ شہادت ہو خواہ کچھ،اور مجلس میلاد مبارک میں ہو خواہ کہیں اور، مطلقاً حرام و ناجائز ہے،خصوصاً جبکہ وہ بیان ایسی خرافات کو متضمن ہو جن سے عوام کے عقائد میں زلل آئے کہ پھر تو اور بھی زیادہ زہر قاتل ہے۔ایسے ہی وجوہ پر نظر فرما کر امام حجۃ الاسلامی محمد محمد غزالی قدس سرہ وغیرہ ائمہ کرام نے حکم فرمایا کہ شہادت نامہ پڑھنا حرام ہے۔

علامہ ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی صواعق محرقہ میں فرماتے ہیں:(**قال الغزالی وغیرہ یحرمه علی الواعظ وغیرہ روایة مقتل الحسن والحسین وحکایاته**)

پھر فرمایا:(**ما ذکر من حرمة روایة قتل الحسین وما بعده لاینافی ماذکرته فی هذا الکتاب–لان هذا البیان الحق الذی یجب اعتقاده من جلالة الصحابة وبرائتهم من کل نقص بخلاف ما یفعله الوعاظ الجهلة فانهم یأتون بالاخبار الکاذبة والموضوعة ونحوها ولا یبیّنون المحامل والحق الذی یجب اعتقاده–الخ**)

یونہی جبکہ اس سے مقصود غم پروری وتصنع حزن ہو تو یہ نیت بھی شرعاً نامحمود،شرع مطہر نے غم میں صبر وتسلیم اور غم موجود کو حتی المقدور دل سے دور کرنے کا حکم دیا ہے، نہ کہ غم معدوم بتکلف وزور لانا، نہ کہ بتصنع وزور بنانا، نہ کہ اسے باعث قربت وثواب ٹھہرانا، یہ سب بدعات شنیعہ روافض ہیں جن سے سنی کو احتراز لازم''۔

(فتاویٰ رضویہ جلد نہم: حصہ اول ص62-رضا اکیڈمی ممبئی)

توضیح:منقولہ بالا عبارت میں امام احمد رضا قادری نے متعدد امور کو بدعات روافض میں شمار فرمایا۔وہ بدعات روافض، شعار رافضیت ہیں،لیکن ان شعار رفض کو اختیار کرنے کے سبب امام موصوف نے ان سنیوں کو رافضی قرار نہیں دیا، کیوں کہ جو سنی ان امور کو انجام دیتے ہیں، وہ اپنے سنی ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور شیعہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

مشہور قانون ہے:(**الصریح یفوق الدلالة**) ۔یہاں سنی ہونے کی صراحت موجود ہے اور شعار میں صراحت نہیں، بلکہ دلالت ہوتی ہے کہ جس مذہب کے شعار کو اختیار کیا ہے،اس مذہب کو اختیار کیا ہے۔

یہاں قرینہ بھی موجود ہے کہ ان سنی حضرات نے لاعلمی میں شعار رافضیت کو اختیار کرلیا اور ان کا مقصود شعار رفض کو اختیار کرنا نہیں، بلکہ حضرت امام حسین شہید کربلا وجملہ اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے اظہار محبت مقصود ہے، گرچہ شیعوں کو دیکھ کر لاعلمی میں ان لوگوں نے غلط طریقہ اپنالیا ہے،لیکن زندگی بھر مذہب اہل سنت وجماعت پر ان کا قائم رہنا اور ساری عبادات ومعمولات اور عقائد ومسائل میں اہل سنت وجماعت کی پیروی اور خاص اس امر میں بھی علم ومعرفت کے بعد مسئلہ کو ماننا اور تسلیم کرنا قوی قرینہ ہے کہ یہ لوگ محض لاعلمی

میں اس طریقے کو اختیار کر لیے۔

ان کا مقصود شیعوں کی پیروی نہیں، بلکہ حضرات اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے اظہار محبت مقصود ہے، پس اہل سنت و جماعت سے وابستگی اور رافضیت سے انکار پر قرینہ ہونے کے سبب شعار کا حکم نافذ نہیں ہوگا، جیسا کہ صریح انکار کی صورت میں شعار کا حکم نافذ نہیں ہوتا ہے۔

(ج) بلا انکار وہابیت، شعار وہابیت اختیار کرنے پر حکم وہابیت

(1) امام احمد رضا قادری نے رقم فرمایا: ''فاتحہ کو بدعت کہنا، زیارات مزارات طاہرہ کو قبر پرستی بتانا، نیاز حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نام کی پوجا کہنا، تعظیم آثار شریفہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضور کی اطاعت نہ ماننا یہ سب شعار وہابیت ہیں، اور وہابیہ گمراہ، بددین، بلکہ کفار و مرتدین ہیں''۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص 185 - رضا اکیڈمی ممبئی)

(2) امام احمد رضا قادری سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو یا غوث کہنا حرام کہتا ہے۔ میلاد شریف کے قصائد خوانی کو ناجائز کہتا ہے۔ اولیاء اللہ کی فاتحہ خوانی جیسے گیارہویں شریف وغیرہ کو ناجائز کہتا ہے۔

امام احمد رضا قادری نے جواب میں فرمایا: ''ایسے اقوال کا قائل نہیں ہوتا، مگر وہابی۔ مسلمانوں کو اس کے وعظ میں جانا جائز نہیں''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص 154 - رضا اکیڈمی ممبئی)

(3) امام احمد رضا قادری نے رقم فرمایا: ''نیاز نذر کرنا جائز ہے، اور اولیا سے طلب دعا مستحب ہے، اور یہاں ان مسائل میں کلام کرنے والے نہیں، مگر وہابی، اور وہابی مرتد ہیں اور مرتد کے پیچھے نماز باطل محض، جیسے گنگا پرشاد کے پیچھے: واللہ تعالیٰ اعلم''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص 170 - رضا اکیڈمی ممبئی)

توضیح: مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح ہو گیا کہ کسی بدمذہب کلمہ گو جماعت کے شعار کو اختیار کرنے پر اسی میں شمار ہوگا، جب کہ صریح انکار یا انکار پر قرینہ موجود نہ ہو۔ مسئلہ حاضرہ میں چوں کہ متکلم نے لفظ خطا کا استعمال روافض کے نظریہ باطل کے ردوابطال میں ہی کیا ہے تو ان کو شعار رافضیت اختیار کرنے والا کیسے کہا جائے گا؟

متکلم نے تو رافضیت کی تردید کی اور اپنے سنی ہونے کا اقرار کیا ہے تو صریح اقرار کے باوجود شعار کی دلالت کا لحاظ کیسے ہوگا؟ قانون ہے: الصریح یفوق الدلالۃ۔ اسی طرح ناصبیت کا الزام بھی عائد نہیں ہوگا کہ گرچہ حضرات اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر سب وشتم ناصبیت کی علامت ہے، لیکن جب متکلم سنیت کا اقرار اور سنیت کے علاوہ ہر بدمذہبیت کا صریح انکار کرتا ہے تو اس پر شعار کی دلالت کی وجہ سے حکم کیسے نافذ ہوگا؟ یہاں (الصریح یفوق الدلالۃ) کا حکم نافذ ہوگا۔

واضح رہے کہ یہ بحث علیٰ سبیل التنزل ہے کہ اگر بالفرض اہل فضل کے حق میں لفظ خطا کے استعمال کو سب وشتم تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہاں شعار رافضیت وعلامت ناصبیت کا حکم نافذ نہیں ہوگا، اور متکلم پر ضلالت وگمرہی کا حکم عائد نہیں ہوگا۔ ایسا حکم نافذ کرنا شرعی اصولوں کے خلاف ہوگا۔

ہماری تحقیق تو یہی ہے کہ اہل فضل کے حق میں لفظ خطا کا استعمال شرعی طور پر جائز ہے، کیوں کہ اہل فضل کے حق میں محتمل لفظ کا استعمال وارد ہے، بلکہ خاص لفظ خطا کا استعمال بھی وارد ہے۔ ہاں، حضرات معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں محتمل لفظ کا استعمال نہیں ہوگا۔ وہاں درج ذیل قانون جاری ہوتا ہے:

(مجرد ایہام المعنی المحال کاف فی المنع عن التلفظ بھذا الکلام-وان احتمل

معنی صحیحا) (ردالمختار: جلد 26 ص 499- مکتبہ شاملہ)

توضیح: چوں کہ لفظ خطا کا بعض معنی یعنی گناہ کرنا حضرات معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے محال شرعی یعنی محال بالغیر ہے تو اس وجہ سے اس لفظ کا استعمال حضرات معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے نہیں ہوگا۔

طارق انور مصباحی

جاری کردہ: 02: دسمبر 2020

☆☆☆☆☆

(۲۰)

مبسملا وحامدا::ومصلیا ومسلما

اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟

(قسط یازدہم)

متکلم پر ضلالت وگمرہی کا فتویٰ شرعی اصول وضوابط کے خلاف

فریق دوم نے متکلم کی ضلالت وگمرہی ثابت کرنے کے واسطے یہ بھی کہا کہ علمائے دین کی بے ادبی کفر ہے اور متکلم نے موجودہ اختلاف کے موقع پر متعدد علمائے کرام کی بے ادبی کی ہے۔

یہ بات صحیح ہے کہ عالم دین کی محض اس لیے بے ادبی کرنا کہ وہ عالم دین ہے تو یہ کفر ہے، کیوں کہ یہ دین اسلام اور علم دین کی بے ادبی ہے۔اسی طرح کسی مومن سے محض اس لیے دشمنی وعداوت رکھنا کہ وہ مسلمان ہے تو یقیناً یہ کفر ہے، کیوں کہ یہ دین اسلام سے عداوت ہے۔

دین وایمان کے علاوہ کسی ذاتی اور دنیاوی سبب سے مومن سے دشمنی رکھنا، اور کسی دنیاوی اور ذاتی سبب سے عالم دین کو برا بھلا کہنا کفر نہیں، بلکہ ناجائز وحرام ہے۔موجودہ اختلافی صورت حال میں دیگر علمائے کرام نے متکلم کی مخالفت کی تو متکلم نے اپنی ذاتی مخالفت کے سبب ان کو برا بھلا کہا۔

اگر محض عالم دین ہونے کے سبب کسی عالم کو برا بھلا کہنا ہوتا تو یہ کبھی بھی ہوسکتا تھا۔خاص اختلافی موقع پر طعن وتشنیع کرنا اور صرف ان حضرات پر طنز کرنا جنہوں نے متکلم کی مخالفت کی ہے، یہ واضح قرینہ ہے کہ باہمی تنازع اور آپسی مخالفت کے سبب ایک دوسرے پر سخت تنقید ہوئی، اور غیر مناسب سلوک کیا گیا۔

فریق دوم نے حکم شرعی بیان کرنے میں متعدد مرجوح اقوال پیش کیے۔حکم شرعی کے بیان میں شرعی اصول وقوانین کی رعایت نہیں کی۔ بلاوجہ شورش اور فتنے کو ہوا دی گئی، اور عوام وخواص اضطراب میں مبتلا ہوئے۔

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا: ''کسی خاص عالم کو کسی دنیوی وجہ سے گالی دینے سے عورت نکاح سے نہیں نکلتی۔ہاں، مطلقاً علما کو یا خاص کسی عالم کو بوجہ علم دین برا کہنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔عورت فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے''۔(فتاویٰ رضویہ جلد ششم:ص 154- رضا اکیڈمی ممبئی)

سوال: مذکورہ اختلافی موقع پر دین کی بات بولنے کے سبب متکلم نے علما کو برا بھلا کہا تو یہ دین کے سبب برا بھلا کہنا ہوا؟

جواب: وہ علما روزانہ دین کی بات کہتے ہیں،لیکن متکلم نے کبھی ان کو اس سبب سے برا بھلا نہیں کہا تھا۔

یہاں باہمی تنازع کا سبب دین کی بات بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک دوسرے کی مخالفت کرنا تنازع کا سبب بن گیا۔اگر وہ علما بھی وہی بات کہتے جو متکلم نے کہی تھی تو تنازع نہیں ہوتا،پس یہاں دینی بات کہنا تنازع کا سبب نہیں، بلکہ ایک دوسرے کی مخالفت تنازع کا سبب ہے،گرچہ یہ مخالفت دینی امر میں ہوئی ہے۔

سوال: دیگر علما کو اپنی رائے پیش کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

جواب: ظنی اور غیر منصوص مسائل میں ماہر عالم کو اپنی تحقیق پیش کرنے کا حق ہے،لیکن تحقیقی اور اجتہادی مسائل میں کسی کو اس دعویٰ کا حق نہیں کہ اس کا بیان کردہ مسئلہ سو فی صد صحیح اور دوسرے کا بیان کردہ مسئلہ سو فی صد غلط ہے۔دراصل اسی دعویٰ کے سبب تنازع ہوتا ہے،اور اختلاف بڑھتا ہے۔ایسا دعویٰ ظاہری طور پر نہیں کیا جاتا ہے،لیکن فریق دیگر کو اپنی بات ماننے پر مجبور کرنا اسی دعویٰ کو ظاہر کرتا ہے: واللہ تعالیٰ اعلم

طارق انور مصباحی

جاری کردہ:04: دسمبر 2020

☆☆☆☆☆

(۲۱)

مبسملا وحامدا::ومصلیا ومسلما

اختلاف وانتشار کا سبب کیا ہے؟

(قسط دوازدهم)

متکلم پر ضلالت وگمرہی کا فتویٰ شرعی اصول وضوابط کے خلاف

فریق دوم نے ’’متفقہ اعلامیہ‘‘ کی ایک عبارت کے سبب اصحاب اعلامیہ اور متکلم کے واسطے توبہ کا حکم ثابت کیا ہے، حالاں کہ یہاں توبہ کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔متفقہ اعلامیہ کی وہ عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

’’ہم اہل سنت وجماعت کے نزدیک انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں،جبکہ ان سے معصومیت کے باوجود خطائے اجتہادی کا صرف امکان ہی نہیں ، بلکہ وقوع بھی مانا گیا ہے، کیوں کہ خطائے اجتہادی نہ معصیت ہے،نہ عیب ہے‘‘۔

فریق دوم کے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا عبارت سے جس طرح ہر ایک نبی علیہ السلام کے لیے معصومیت کا ثبوت ہوا،اور ہر ایک نبی علیہ السلام کے واسطے خطائے اجتہادی کا امکان ثابت ہوا،اسی طرح ہر ایک نبی علیہ السلام کے لیے خطائے اجتہادی کا وقوع ثابت ہو گیا،اور جب ہمیں تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد کا صحیح علم نہیں تو ان نفوس زکیہ کے تعلق سے خطائے اجتہادی کے وقوع کا علم کسی کو کیسے ہو سکتا ہے ،پس ان تمام نفوس طیبہ کے لیے خطائے اجتہادی کے وقوع کا قول کذب ہوا،اور یہ ان حضرات قدسیہ کی شان میں ایک قسم کی بے ادبی ہوئی،گرچہ اس بے ادبی کے سبب سے حکم کفر نہیں ہوگا،لیکن توبہ کا حکم ہوگا۔

جواب: منقولہ بالا عبارت میں لفظ’’بلکہ‘‘ کا استعمال ہے،اور اسی سے متصل جملے پر اعتراض ہے۔

واضح رہے کہ لفظ ''بلکہ'' کی جگہ عربی زبان میں لفظ ''بل'' کا استعمال ہوتا ہے۔ایسے محل استعمال میں عربی زبان کا لفظ ''بل'' اضراب انتقالی کے واسطے ہوتا ہے۔یہاں ''بل'' سے قبل بھی ایک جملہ ہوگا اور لفظ ''بل'' کے بعد بھی ایک جملہ ہوگا،اور ''بل'' عطف کے لیے نہیں، بلکہ حرف ابتدا ہوجائے گا اور اس کے بعد مستقل جملہ ہوگا۔

اب اگر ایک جملے میں کسی لفظ عام سے اس کے تمام افراد مراد ہوں تو اسی سے متصل دیگر جملوں میں بھی اس لفظ عام یا اس کی ضمیر سے اس لفظ عام کے تمام افراد مراد ہونا لازم نہیں۔سیاق وسباق،قرائن وحالات پر نظر کرنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جاتا ہے۔اسی طرح بیان متکلم سے بھی مراد کی یقینی وضاحت ہوتی ہے۔

ایسا استعمال قرآن وحدیث میں وارد ہے کہ لفظ عام سے کسی جملہ میں اس کے تمام افراد مراد ہیں،اور اس سے متصل جملے میں تمام افراد مراد نہیں۔جہاں لفظی قرینہ نہ ہو، وہاں عقل وعرف وغیرہ کے سبب عام کے بعض افراد حکم سے مستثنی ہوجاتے ہیں۔صرف اصطلاح میں اس کا نام تخصیص نہیں،ورنہ حکم سے افراد کا استثنا ہوجاتا ہے۔

قال الملا احمد جیون:(والتخصیص فی الاصطلاح:هو قصر العام علی بعض مسمیاته بکلام مستقل موصول-فان لم یکن کلامًا بان کان عقلًا او حسا اوعادة اونحوه، لم یکن تخصیصا اصطلاحا) (نورالانوار جلد اول:ص169-دارالکتب العلمیہ بیروت)

مسئلہ حاضرہ کی وضاحت کے لیے قرآن مجید کی چند آیتیں منقوشہ ذیل ہیں۔

(1)(لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم::ثم رددناه اسفل سافلین::الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت فلهم اجر غیر ممنون) (سورہ والتین:آیت 4تا6)

ترجمہ:بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا،پھر اسے ہر نیچی سے نیچی حالت کی طرف پھیر دیا،مگر جو ایمان لائے،اور اچھے کام کیے کہ انہیں بے حد ثواب ہے۔(کنزالایمان)

توضیح:منقوشہ بالا آیات مقدسہ میں سے پہلی آیت میں انسان سے تمام افراد انسانی مراد ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انسان کے ہر فرد کو عمدہ صورت عطا فرمائی۔دوسری آیت میں ''رددناہ'' کی ضمیر منصوب متصل (ہ) انسان کی طرف راجع ہے،لیکن اس سے تمام انسان مراد نہیں۔تیسری آیت میں استثنا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت پیش فرمادی کہ جو انسان ایمان اور عمل صالح کو اختیار کرلیں، وہ اس حکم سے الگ اور جدا ہیں،یعنی مرجع (انسان) سے تمام افراد انسانی مراد ہیں اور ضمیر سے تمام افراد انسانی مراد نہیں۔

سوال:منقوشہ بالا آیات طیبہ میں استثنا موجود ہے،اس لیے تمام افراد انسانی مراد نہیں ہوں گے،لیکن جہاں استثنا اور لفظی تخصیص موجود نہ ہو تو تمام افراد مراد ہوں گے یا نہیں؟

جواب:جہاں لفظی استثنا یا لفظی تخصیص نہ ہو، وہاں قرینہ کے اعتبار سے حکم ہوگا۔مثال درج ذیل ہے۔

(2)(ولقد کرمنا بنی آدم وحملناهم فی البر والبحر ورزقناهم من الطیبٰت وفضلناهم علیٰ کثیر ممن خلقنا تفضیلا) (سورہ بنی اسرائیل:آیت 70)

ترجمہ:بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی،اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا،اور ان کو ستھری چیزیں روزی دیں،اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا۔(کنزالایمان)

توضیح:بنی آدم سے تمام بنی آدم مراد ہیں، بلکہ خود حضرت آدم علیٰ رسولنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس حکم میں شامل ہیں۔یہاں بنی آدم کی عزت سے قرب خداوندی اور عزت اخروی مراد نہیں ہے، بلکہ عقل وتدبیر،،

زمینی مخلوقات کی تسخیر، تہذیب واخلاق ودیگر امور کے اعتبار سے دیگر زمینی مخلوقات پر عظمت وفضیلت مراد ہے۔اس میں تمام انسان شریک ہیں، گرچہ اخروی اعتبار سے کفار بنی آدم حیوانوں سے بدتر ہیں۔

یہاں زمینی مخلوقات کے اعتبار سے انسانوں کی افضلیت مراد ہے،جن کو مخلوقات سفلی کہا جاتا ہے۔ حضرات ملائکہ علیہم السلام مخلوقات سفلی میں شامل نہیں، نہ ہی ان نفوس طاہرہ سے انسانوں کی افضلیت مراد ہے۔ یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ کفار بنی آدم کا حضرات ملائکہ علیہم السلام سے کوئی تقابل ہی نہیں۔ ہر فرشتہ مومن ہے اور کوئی کافر مومن سے افضل کیوں کر ہوسکتا ہے۔

''لقد کرمنا بنی آدم'' کے بعد''حملنا ہم'' ہے۔''حملنا ہم'' کی ضمیر منصوب متصل کا مرجع بنی آدم ہے،لیکن یہاں تمام بنی آدم مراد نہیں ہوسکتے، کیوں کہ تمام بنی آدم کے لیے سمندری سفر ثابت نہیں۔ نہ جانے کتنے لوگ سمندر دیکھے نہ ہوں گے اور بے شمار لوگ سمندر کا سفر نہ کیے ہوں گے تو یہاں تمام افراد انسانی مراد نہیں ہوسکتے۔

''حملنا ہم'' کے بعد''رزقنا ہم'' کی ضمیر منصوب متصل سے اکثر بنی آدم مراد ہوں گے، کیوں کہ زندہ رہنے والے ہر ایک انسان کو رزق ملا۔کوئی انسان خوردونوش کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اس سے صرف وہ نومولود بچے خارج ہوں گے جو زندہ پیدا ہوئے اور بلا خوردونوش ان کی موت ہوگئی، یا مردہ ہی پیدا ہوئے۔

''رزقنا ہم'' کے بعد''فضلنا ہم'' کی ضمیر منصوب متصل میں بھی تمام بنی آدم مراد ہیں۔اس سے بھی قرب خداوندی یا اخروی فضیلت مراد نہیں۔محض زمینی مخلوق پر تمام انسانوں کی فضیلت مراد ہے۔

جب اس قسم کا استعمال شائع وذائع ہے،اور حکم میں غیر شامل افراد کا استثنا عقلی طور پر یا کسی اور سبب سے ہوجاتا ہے تو پھر اصحاب اعلامیہ پر توبہ کا حکم کیوں کر ہوگا؟

اردو زبان میں بھی ایسا استعمال ہوتا ہے۔کہا جاتا ہے:''فلاں شہر کے لوگ صرف مجوسی ہی نہیں، بلکہ چور بھی ہیں''۔اس جملے سے ہر آدمی یہی سمجھتا ہے کہ اس شہر کے باشندے مجوسی ہیں اور ان میں بہت سے لوگ چور بھی ہیں۔

لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اس شہر کا ہر ایک ایک باشندہ چور ہے، کیوں کہ یہ بات ممکن ضرور ہے،لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے کہ کسی شہر کے تمام لوگ چور ہوں۔ ہاں،تمام لوگ یہودی،عیسائی،مشرک،مجوسی یا مسلمان ہوسکتے ہیں اور بے شمار ایسے شہر ہیں جہاں ایک ہی مذہب کے لوگ ہیں،لیکن عام طور پر ایسا نہیں ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی فطرت کے ہوں،مثلاً سب چور ہوں، یا سب غنڈے ہوں، یا سب ایک پیشہ کے ہوں،اور بالفرض اگر کہیں سب لوگ ایک ہی فطرت وجبلت یا ایک ہی پیشے کے ہوں تو اس کا خصوصی ذکر ہوتا ہے، نہ کہ عام پیرایہ میں۔

ایسے موقع پر مثلاً کہا جائے گا کہ تعجب ہے کہ اس گاؤں یا شہر کا ہر ایک آدمی غنڈہ ہے۔ ہر ایک آدمی چور ہے۔الحاصل مسئلہ حاضرہ میں طرز کلام سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اصحاب اعلامیہ نے ہر ایک نبی علیہ السلام کے حق میں خطائے اجتہادی کا وقوع تسلیم کیا ہے۔اگر فریق دوم کے بقول یہاں اس مفہوم کا احتمال ہے تو محتمل کلام میں بیان حکم سے قبل قائل کی مراد دریافت کی جاتی ہے،تب حکم شرعی بیان کیا جاتا ہے۔یہی فتویٰ کا اصول ہے۔

قال الہیتمی:(ومنها مَا صَرَّحَ بِهٖ اَئِمَّتُنَا کالرافعی فی''العزیز''والنووی فی''الروضة والمجموع''وغیرهما-مِنْ اَنَّ الْمُفْتِیَ اذا سُئِلَ عَنْ لَفْظٍ یَحْتَمِلُ الْکُفْرَ وَغَیْرَہٗ-لَا یَقُولُ هو مهدر الدم او مباحه او یقتل او نحو ذلک-بل یقول:یُسْئَلُ عَنْ مُرَادِهٖ-فَاِنْ فَسَّرَہٗ بِشَیْءٍ،عُمِلَ بِهٖ)(الفتاوی الحدیثیہ ص38-دارالفکر بیروت)

توضیح:اب اصحاب اعلامیہ سے دریافت کرلیا جائے کہ ان کی مراد کیا ہے؟ دراصل فریق دوم کوحکم جاری کرنے سے قبل ہی اس کی تحقیق کرنی تھی۔اب بھی تلافی مافات ہوسکتی ہے:واللہ الہادی الی سبیل الحق وہو الموفق:

طارق انور مصباحی

جاری کردہ:05:دسمبر2020

☆☆☆☆☆